قرآن کریم اور سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۳ شمارہ: ۷

رجب المرجب: ۱۴۴۱ھ - مارچ: ۲۰۲۰ء

قیمت فی شمارہ: ۴۰ روپے ، زرِ سالانہ: ۵۰۰ روپے

مدیر/مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ : 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعة العلوم الاسلامية

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

اسلام اور پاکستان کے خلاف اِک عالمی قانونی وار اوراس کی واقعاتی وآئینی وضاحت	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

اسلام ''دینِ کامل'' ہے!	۱۲	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۹	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
حضرت علّامہ بنوریؒ... بلند پایہ محدّث... ادیب... مہتمم (قسط:۲)	۲۳	مفتی عبدالرؤف غزنوی
وجودِ باری تعالیٰ اور توحید کا اثبات واقعاتی دلائل سے	۳۳	مولانا عبدالصمد
خواتین کے لیے چند احکام وآداب	۳۷	مولانا مبین الرحمٰن
معاشرے کی اصلاح وبگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات (قسط:۱)	۴۲	مولانا محمد طفیل کوہاٹی
مرابحہ مؤجّلہ ....ارتقائی، واقعاتی اور تجزیاتی مطالعہ (قسط:۴)	۴۶	مولوی فضل الرحمٰن

یادِ رفتگان

حضرت مولانا الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ	۵۳	مولانا محمد اسحاق

دار الافتاء

شبِ معراج کی تعیین اور عبادت!	۵۷	ادارہ

نقد و نظر

	۵۹	ادارہ

اسلام اور پاکستان کے خلاف اِک عالمی قانونی وار

اور اس کی واقعاتی و آئینی وضاحت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت نے دینِ اسلام کے مقابل نیا دین اور مذہب گھڑا، قادیانیت ہر اعتبار سے دینِ اسلام کے متوازی ایک جماعت ہے، اس لیے کہ انہوں نے قرآن کریم کے مقابل نئی کتاب، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل نیا نبی، حتیٰ کہ ہر دینی شعار کی جگہ جداگانہ شناخت اپنائی، لیکن مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے اور انہیں مرتد بنانے کے لیے خواہ مخواہ اپنے کو احمدی مسلمان کہلانے پر مصر ہیں، حالانکہ کسی ایک بات میں بھی یہ مسلمانوں سے اشتراک نہیں رکھتے، اس لیے پاکستان کی قومی اسمبلی نے تمام تر آئینی اور جمہوری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قادیانی جماعت کو پورا پورا موقع دیا کہ وہ اپنا رشتہ مذہب اسلام سے ثابت کریں اور دیگر اسلامی فرقوں کی طرح ایک مسلمان فرقہ ہونا ثابت کریں، مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، جس کے بعد وطن عزیز کے آئین ساز ادارے نے قادیانی جماعت کو متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور ان کے لیے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق مختص کر دیئے۔

اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ آئین کو مانتے ہوئے پاکستان کے اس متفقہ فیصلے کو تسلیم کرتے، اُلٹا انہوں نے بین الاقوامی برادری میں پاکستان کو بدنام کرنے اور پاکستان کے لیے ہر مرحلہ پر مشکلات میں اضافہ کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ حال ہی میں انہوں نے اقوامِ متحدہ میں ایک قرارداد دائر کی،

جس پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے قانونی مشیر نے کئی اعتراضات لگا کر اقوام متحدہ کو بھیجے، چونکہ یہ تمام تر کارروائی انگلش میں تھی، اس کا اردو ترجمہ قارئین بینات کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، پہلے قادیانیوں کی قرارداد اور پھر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے اس قرارداد پر کیے گئے اعتراضات کو ملاحظہ فرمائیں:

''مؤرخہ ۶؍ جون ۲۰۱۹ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ایک اجلاس میں قادیانیوں کی طرف سے ایک قرارداد جمع کرائی گئی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ: ''احمدیہ مسلم کمیونٹی پاکستان میں بڑی مشکلات میں ہے اور ان کو مذہبی طور پر دھمکیاں دی جارہی ہیں اور ان کے خلاف نفرت انگیز باتیں کہی جارہی ہیں، جس کی وجہ سے دھمکیاں، خوف اور جان جانے کے خطرات پاکستان میں قادیانیوں کے لیے ہیں اور بہت ساری دفعات جو کہ رپورٹ نہیں اور پولیس نے جھوٹے کیس احمدیوں کے خلاف بنائے اور اس یقینی موت کی دھمکی کے سبب بہت سارے احمدی سیاسی پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ بعض احمدی سیاسی پناہ طلب کررہے ہیں، جیسے: یوکے، کینیڈا، امریکا اور بہت سے یورپی ممالک میں اور کچھ پاکستان کے احمدی ہیں۔ جب ۲۰۱۰ء میں لاہور میں حملہ ہوا، جس میں ۸۶ احمدی ۲ عبادت گاہ میں مار دیئے گئے۔ اس خوف سے بہت سارے قادیانی پڑوسی ملکوں سری لنکا، تھائی لینڈ اور ملائیشیا میں چلے گئے۔ کچھ کو وہاں ریفوجی کا حق دیا گیا، لیکن وہاں ان کو شہریت کا حق نہیں دیا گیا اور وہ عرصہ تیس سال سے اس امید پر وہاں رہ رہے ہیں، لیکن تھائی لینڈ اور ملائیشیا نے کہا ہے کہ ۱۹۵۱ء کے اقوام متحدہ کنونشن اور ۱۹۶۷ء کے پناہ گزین قرارداد کے مطابق نہیں ہیں اور ہم بغیر قانونی حیثیت کے پناہ گزینوں کو گرفتار کرلیں گے یا آپ کو واپس اپنے ملک بھیج دیں گے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ ۱۲۰۰ احمدی پناہ گزین تھائی لینڈ میں ہیں، ان ممالک کو ہدایت دیں کہ ان کو پناہ دی جائے اور اس اپیل میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں ہماری عبادت گاہوں پر، ہمارے کاروبار پر آئے دن حملے ہوتے ہیں، ہمیں کاروبار کرنے کی آزادی نہیں ہے، انہوں نے اقوام متحدہ سے اپیل کی ہے کہ احمدی مسلم کمیونٹی کو ایک خصوصی حیثیت دی جائے جو کہ تیس سال سے مظلومیت کی زندگی گزار رہے ہیں اور احمدیوں کو مستقل بنیادوں پر خاص طور پر ستم رسیدہ مرد اور عورتوں اور بچوں کو تھائی لینڈ اور ملائیشیا میں مستقل شہریت دی جائے اور اس کے علاوہ بین الاقوامی برادری ہمیں اس مصیبت اور مظلومیت کا حل نکالنے میں مدد کرے۔ اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل احمدیوں کا مقدمہ اولین طور پر اور یقینی بنائے، سری لنکا، ملائیشیا اور تھائی لینڈ میں مستقل شہریت کا بندوبست کرے۔ پاکستان توہین رسالت اور قادیانیوں سے متعلق قانون کو ختم کرے اور اقلیتوں کی مذہبی آزادی کا خیال کرے۔''

قادیانیوں کی اس قرارداد کے بعد اب عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے قانونی مشیر کی طرف سے اس قرارداد پر اُٹھائے گئے اعتراضات ملاحظہ ہوں:

"Coordination des Associations et des Particuliers pour la Liberte de Conscience"

کی تحریر کے جواب میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے اعتراضات جمع کرائے گئے۔ مذکورہ بالا ایک غیر سرکاری تنظیم ہے، جس کے پاس انسانی حقوق کی حفاظت سے متعلق ایک خاص مشاورتی درجہ ہے۔ ان کی تحریر کا ریفرنس نمبر ''اے/ ایچ آر سی/ این جی او'' بتاریخ چھبیس جون ہے۔

(Reference No:A/HRC/41/NGO/153-26 June 2019)

اپنی تحریر بتاریخ چھبیس جون، ریفرنس نمبر ''اے/ ایچ آر سی/ این جی او'' سے رجوع کریں، جو اقتصادی اور سماجی کونسل سے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے متعلق جاری کی گئی۔ ہمارے اعتراضات مندرجہ ذیل ہیں:

۱:- آپ نے اپنی تحریر میں ''مسلم احمدیہ برادری'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو کہ ہر اعتبار سے ایک نامناسب بات اور نامناسب الفاظ ہیں، کیونکہ آئینِ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آرٹیکل (۲۶۰-۳) میں مسلمان اور غیر مسلم کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے:

''مسلمان اس شخص کو کہتے ہیں، جو اللہ رب العزت کی وحدانیت پر کامل ایمان رکھتا ہو، جو حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت والی صفت کو مکمل جانتا ہو اور اس پر کامل اور پختہ ایمان رکھتا ہو، جو اللہ کے آخری نبی ہیں، اور کسی بھی ایسے شخص پر ایمان نہیں رکھتا، اور نہ ہی اس کا اقرار کرتا ہے، بحیثیت نبی کے یا دینی مجدد کے، جو اپنے آپ کو محمد ﷺ کے بعد نبی مانتا ہو، اس بات کے ہر ممکن مطلب کے مطابق'' اور ''غیر مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو مسلمان نہ ہو، جس میں شامل ہیں عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ مت یا پارسی برادری، کوئی شخص جس کا تعلق قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ سے ہو، جو اپنے آپ کو احمدی یا پھر کسی اور نام سے پکارتے ہوں، یا بہائی، یا کوئی ایسا بندہ جو ہندو برادری کی خصوصی (نچلے طبقہ کی) ذات سے تعلق رکھتا ہو۔''

لہٰذا اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ۱۹۷۳ء احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیتا ہے، بلکہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا گیا ہے، جبکہ انہوں نے اپنے آپ کو بحیثیت اقلیت طبقے یا اقلیت گروپ اندراج نہیں کروایا، لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین نے واضح طور پر احمدیوں کو ایک اقلیت کی حیثیت دی ہے۔

۲:- یہ کہ سن ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۰ء میں پاکستان میں دہشت گردی کے بہت سے واقعات

ہوئے اور ان دو سالوں میں ۲۴۵ دہشت گرد حملے ہوئے۔ ان میں سے ۵۷ حملے ملک بھر میں دینی اور مقدس جگہوں پر ہوئے، اور ان میں سے بھی صرف ۱۲ مقدس مقامات لاہور میں تھے، جن میں سے صرف ایک جگہ احمدیوں کی تھی، جس میں ۸۶ لوگ جاں بحق ہوئے، باقی سب مساجد تھیں، جن میں ۲۱۰ سے زیادہ افراد جاں بحق ہوئے۔ ان سارے حملوں کی ذمہ داری تحریک طالبان پنجاب نے لی، لہٰذا یہ حملے احمدیوں یا قادیانیوں سے کوئی ذاتی دشمنی کا ثبوت نہیں پیش کرتے۔

۳:- یہ کہ ان احمدیوں کے متعلق جنہوں نے ملک سے فرار اختیار کیا، کوئی وضاحت پیش نہیں کی گئی اور نہ ہی کوئی اطلاع دی گئی، اور اب دوسرے ممالک میں پانچ، چھ سال سے مہاجر کی حیثیت سے رہ رہے ہیں اور نہ ہی ان ممالک یا ریاستوں سے کوئی وضاحت یا اطلاع آئی ہے کہ فلاں احمدی ہمارے ہاں مہاجر کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔

۴:- یہ کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء، جس میں احمدیوں کو ایک اقلیت کہا گیا، حالانکہ احمدیوں نے اس طرح سے اپنا اندراج بھی نہیں کروایا، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔ احمدی آئین ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۳۶ کی مستقل اور بہت عرصے سے خلاف ورزی کررہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کی قابل احترام سپریم کورٹ، آئینی بنچ، نے احمدیوں کو اس خلاف ورزی سے آگاہ کیا ہے اور احمدی/ قادیانی اور لاہوری گروپ کو سپریم کورٹ نے آرڈر دیا ہے کہ وہ بمطابق آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان اپنا اقلیت کی حیثیت سے اندراج کروائیں۔

۵:- اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ۱۹۷۳ء آرٹیکل ۳۶ اس بات کو وضاحت سے پیش کرتا ہے کہ ’’ریاست اقلیتوں کے قانونی حقوق اور مفادات کی حفاظت کرے گی، بشمول ان کی صوبائی اور وفاقی سروسز میں نمائندگی کے۔‘‘ لہٰذا پاکستان نے ہر اس شخص کو بڑی وضاحت سے اس کا حق دیا ہے، جس نے اپنے آپ کو پاکستان میں بحیثیت اقلیت اندراج کروایا ہے، لیکن احمدی/ قادیانی مستقل پاکستان کی قابل احترام عدالت سپریم کورٹ کے احکامات کا انکار کررہے ہیں۔

۶:- اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین آرٹیکل ۳۶ اقلیتوں کے حقوق کو مزید بڑھاتے ہوئے، ان کے حقوق کو اسلام کے اصولوں کے مطابق لاگو کرتا ہے، جو قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہیں۔ یہ چیز ان کے حقوق کو ایک مؤثر اور اطمینان بخش طریقے سے یقینی بناتی ہے، کیونکہ دنیا کا کوئی بھی قانونی نظام قرآن اور حدیث سے بہتر نہیں ہے، اور اس بات کا اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ کوئی قانون بھی قرآن وحدیث کے قانون کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔

۷:- پاکستانی حکومت نے آرٹیکل ۳۶ میں مزید ترمیم کی ہے، جس کے تحت اقلیتوں کے لیے

سیٹوں کا اضافہ کیا گیا ہے، تاکہ ان کے حقوق کی مزید حفاظت کی جا سکے، لہٰذا آرٹیکل ’’۳۶[۲]‘‘ کے تحت لوکل کونسل الیکشن کے لیے اہلیت صرف مسلمانوں تک محدود نہیں، بلکہ سب کے لیے ہے۔‘‘ اسی لیے یہ ترمیم ایک اسلامی ریاست میں، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے نافذ کی گئی ہے، ورنہ الیکشن میں منتخب ہونے کا ان کو موقع کبھی بھی نہ ملتا۔ یہ سارا قانون اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ۱۹۷۳ء آرٹیکل ۳۶ کس قدر اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے، لیکن پھر بھی احمدی اپنا اندراج ایک اقلیت کی حیثیت سے نہیں کرواتے۔

۸:- اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کا آرٹیکل ۲۰ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اقلیتوں کو اپنے دین پر عمل کرنے کی اور عبادت گاہوں کو قائم اور برقرار رکھنے کی اجازت ہے۔ آرٹیکل ۲۰ کے تحت:

’’ہر فرد کے پاس حق ہوگا کہ وہ اپنے دین پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے۔‘‘

’’ہر قسم کے فرقے کو اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ اپنی عبادت گاہ بنائے اور اس کو چلائے۔‘‘

۹:- اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کا آرٹیکل ۲۰ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اقلیتوں کو اپنے دین پر عمل کرنے کی اور عبادت گاہوں کو چلانے اور برقرار رکھنے کی اجازت ہے۔ اور مزید یہ آرٹیکل ۲۰ احمدیوں کی دینی آزادی کے بارے میں خصوصی طور پر سائنو پسسکشن (۴-۴/۲) میں وضاحت کرتا ہے کہ ’’کسی لحاظ سے بھی (پاکستان کی) قانون سازی، احمدیوں کی دینی آزادی پر اثر انداز نہیں ہوتی، کیونکہ یہ قانون احمدیوں کو صرف ان صفاتی الفاظ کو استعمال سے منع کرتا ہے، جس سے ان کی کوئی دینی مناسبت نہ ہو، لیکن وہ اپنی پسند کے اور دیگر صفاتی الفاظ و اصطلاحات بنا سکتے ہیں۔ دوسری اقلیتوں کی طرح احمدیوں کو بھی اپنے دین پر چلنے کی کھلی اجازت ہے اور یہ حق ان سے کسی بھی قانون یا ایگزیکٹو آرڈر کے تحت نہیں لیا جا سکتا، لیکن احمدی اس بات کے پابند ہیں کہ وہ آئین اور قانون کی اطاعت کریں، اور کسی دین بشمول اسلام کی مقدس اور متقی ہستیوں کی شان میں گستاخانہ اور بدنام کرنے والے الفاظ نہ استعمال کریں، نہ ہی وہ مخصوص اسلامی الفاظ یا القاب یا عنوانات اسلامی استعمال کریں، اور مزید وہ خصوصی الفاظ جیسے مسجد بھی نہ استعمال کریں اور نہ ہی اذان دیں، تاکہ مسلمانوں کی ایذا رسانی نہ ہو، اور لوگ دین کے اعتبار سے گمراہ نہ ہوں، نہ دھوکہ میں پڑ جائیں۔‘‘

۱۰:- پاکستان میں احمدی، مسلمانوں کو اپنے دین سے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور اس حوالے سے انہوں نے پاکستان کی پینل کوڈ ۱۸۶۰ (ایس ۲۹۸-بی اور ۲۹۸سی) کی خلاف ورزی

کی ہے، جس کے مطابق ’’کوئی برادری، چاہے وہ کتنی ہی منظّم، امیر اور معاشرے میں بااثر کیوں نہ ہو، اس کو اجازت نہیں کہ دوسرے کے دین اور حقوق سے اس کو گمراہ کرے، اس کی جائیداد پر قبضہ کرے، یا پھر جان بوجھ کر اور جانتے ہوئے ایسے کام کرے یا ایسے اقدام کرے، جن سے قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔‘‘

۱۱:- پاکستان میں احمدی، مسلمانوں کو اپنے دین سے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور اس حوالے سے انہوں نے واضح طور پر ۱۹۸۴ء کے آرڈیننس ۲۰ (یو/ ایس ۲۹۸ ترمیم شدہ سیکشن ۲۹۸ بی اور ۲۹۸سی، پی پی سی ۱۸۶۰) کی خلاف ورزی کی ہے، جس کے مطابق ’’کسی کا قادیانیوں کے لیے کوئی دعویٰ کرنا، یا قادیانیوں کے لیے کوئی پیش گوئی کرنا یا اپنے آپ کو جھوٹ سے قادیانی ظاہر کرنا، یا قادیانیوں کی نمائندگی کرنا، بغیر قادیانیوں کے دین کی حقیقت کو اعلانیہ بیان کیے ہوئے، تو ایسا کرنا نا صرف قانون کی خلاف ورزی ہے، بلکہ آئین کی بھی خلاف ورزی ہے۔‘‘

۱۲:- قابل احترام سپریم کورٹ آف پاکستان نے اور ہائی کورٹ نے بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۳۶ کے نکات کی وضاحت کی ہے، جو کہ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے متعلق ہے، اور یہ کہا ہے کہ اب تک نہ صرف احمدی/ قادیانی آرٹیکل ۲۶۰ [۳] کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، بلکہ اپنے آپ کو بحیثیت اقلیت اندراج نہ کروا کر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۳۶ کی بھی مستقل خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

۱۳:- قابلِ احترام سپریم کورٹ آف پاکستان اور ہائیکورٹ، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۲۰ کے سیکشنز ۲۹۸ بی اور ۲۹۸سی کی خلاف ورزی سے متعلق، کسی قسم کا ردعمل اختیار کرنے کا حق رکھتی ہیں۔ ان سیکشنز کے تحت ’’دینی آزادی کی وجہ سے قانون کی خلاف ورزی کی، یا عوامی امن وسکون کو خراب کرنے کی اجازت نہیں ہے‘‘، اور مزید یہ کہ ’’دین پر چلنے کی آزادی کا اصول یہ ہے کہ ریاست کسی کو بھی، اپنے دینی حقوق کو حاصل کرنے میں کسی دوسرے شخص کے حقوق کو پامال کرنے کی یا اس کے حقوق کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دیتی، اور یہ بھی کہ کسی شخص کو (اپنے دین کے علاوہ) کسی دوسرے کے دین کی توہین، بےعزتی یا خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہیں ہے، خصوصی طور پر اگر یہ عمل ملکی امن وامان کے خلاف ہو۔‘‘

۱۴:- پاکستان نے ہمیشہ اقلیتوں کی ان کے اپنے رہائشی علاقوں میں ان کے حقوق کی حفاظت کی ہے، اور ہمیشہ قانون کی پابندی کی ہے، اور کبھی بھی پاکستان کا کسی اقلیت پر، جو کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے تحت اندراج شدہ ہیں، توہین رسالت کا کوئی بھی جھوٹا الزام لگانے کا جرم ثابت نہیں ہوا۔

۱۵: - جب سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ۱۹۷۳ء روبہ عمل میں آیا ہے، اس وقت سے کسی بھی اقلیت کی طرف سے، ان کی حفاظت سے متعلق، کوئی شکایت موصول نہیں ہوئی اور اسی لیے احمدیوں/ قادیانیوں نے کبھی بھی اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے دین اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے میں ملوث رہے ہیں اور اس بات کا قابل احترام سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ نے پورے پاکستان میں نوٹس لیا ہے۔

۱۶: - احمدیوں کے اپنے نظریہ کے مطابق، اور سیکشنز ۲۹۸ بی اور ۲۹۸ سی کی خلاف ورزی کی روشنی میں، یہ بات تو واضح ہے کہ احمدی لوگ اور ان کے علاوہ مسلمان کہلانے والی اُمت مسلمہ، دونوں ایک وقت میں مسلمان نہیں ہو سکتے، اگر ان میں سے ایک جماعت مسلم ہے تو پھر دوسری نہیں ہوسکتی، اس کے برعکس احمدی اپنے آپ کو پاکستان میں مسلمان کی حیثیت دلوانے کی مستقل کوشش کررہے ہیں۔ ان کا یہ عمل اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے مطابق نہیں ہے، جس میں ان کو ایک غیر مسلم/ اقلیت قرار دیا گیا ہے، لہٰذا بغیر کسی پروپیگنڈا کے، مسلمانوں کی بنیادی اور بڑی جماعت کو ہی مسلمان کہا جائے گا، کیونکہ وہ مسلمان لفظ کی تعریف پر پورا اُترتے ہیں، پاکستان میں بھی اور باقی دنیا میں بھی۔

۱۷: - احمدیوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ اپنے آپ کو منفرد کیا جائے، اور اپنے آپ کو ایک ایسا درجہ دلوایا جائے جو دوسری سب قوموں سے مختلف اور نمایاں ہو۔ ایک دینی گروہ کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی مخالفت کی ہے، اور ان کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو، بلکہ انہوں نے حقیقت میں ساری مسلم امت کو کافر قرار دیا ہے، لیکن ایک اقلیت ہونے کی وجہ سے وہ اپنا یہ دعویٰ مسلط نہیں کر سکے۔

۱۸: - احمدیوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ اپنے آپ کو دینی اور سماجی اعتبار سے ایک منفرد مقام دیا جائے، وہ اپنا مقصد حاصل کرنے پر خوش ہوتے، خصوصی طور پر اگر اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین یہ حق ان کو قانونی طور پر دیتا۔ ان کی سب سے بڑی مایوسی یہی ہے کہ یہ قانونی طور پر ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر اور اپنے آپ کو مسلمان کا لیبل نہ لگوا سکے، لہٰذا وہ شاید اسی لیے مایوس ہیں کہ اب وہ کامیاب طریقہ سے اپنا کام نہیں کر پارہے، یعنی کہ کم علم رکھنے والے مسلمانوں کو دعوت دے کر قادیانی بنانا۔

۱۹: - احمدی لوگ، پاکستان اور دنیا بھر میں، مسلمانوں کو اپنے دین سے گمراہ کرنے کے لیے پروپیگنڈا کررہے ہیں، یہ کہتے ہوئے کہ اپنی ریاستوں کو چھوڑ دو اور ہمارے پاس آجاؤ، جب کہ اس عمل سے تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ احمدی جہاں کہیں بھی رہتے ہیں، اس جگہ پر اپنا ہی ایک گروپ اور اپنی

منفرد سوسائٹی بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ جس طرح سے وہ چاہیں، ان کو دینی لحاظ سے استقامت مل سکے، لہٰذا پاکستان میں ان کے اس گمراہ کن ردِعمل کا قابلِ احترام سپریم کورٹ آف پاکستان نے اور ہائی کورٹ نے پاکستان بھر میں صحیح طرح سے نوٹس لیا، اور اسی لیے قادیانی پاکستان میں اپنے دینی پروپیگنڈے کو کم کرنے اور چھپ کر کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔

۲۰:- جب احمدیوں نے یہ دیکھا کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہورہے، انہوں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے نئی سرزمینیں ڈھونڈنا شروع کردیں، لیکن مسلمانوں نے، چاہے پاکستان کے رہائشی ہوں یا بیرونِ ممالک کے، ہمیشہ اپنے دین کی بقاء کے لیے ٹھوس اقدامات کیے ہیں، اور اسی لیے پاکستان کے مسلمانوں نے ہمیشہ سے دوسرے ملکوں میں آباد مسلمانوں کو اس فتنے اور پروپیگنڈے سے آگاہ کیا ہے۔

۲۱:- جب احمدیوں نے دیکھا کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہورہے ہیں، انہوں نے ہر جگہ یہ بات پھیلانا شروع کردی کہ پاکستان نے ان کو حقوق نہیں دیئے، لہٰذا جو قرارداد احمدیوں نے آپ کی اسمبلی میں پیش کی ہے، اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دین سے گمراہ کیا جائے۔

۲۲:- ایک بہت اہم نکتہ آپ کی معزز اسمبلی میں نوٹ ہونا چاہیے کہ ماضی میں یا حال میں، احمدیوں نے مسلمانوں کے علاوہ کسی قوم کو اپنے دین سے گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی، کسی اور دینی مذہب نے اس کی آج تک شکایت نہیں کی کہ احمدیوں نے ان کو دین سے گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے برعکس احمدی ہمیشہ مسلمانوں کو ہی گمراہ کرتے پائے گئے ہیں۔

۲۳:- ہمارا یہ اعتراض اس بات کی وضاحت کررہا ہے کہ احمدی اس چیز کی کوشش کررہے ہیں کہ وہ کسی بھی طرح سے مسلمانوں کی ظاہری علامتوں کو برقرار رکھیں اور اپنے مشکوک مذہب اور مؤقف کو اسلام کا لیبل لگوا دیں، اور اس معاملے میں ان کا ہمارے موقف سے انحراف قابلِ فہم ہے، جبکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ان کی قرارداد کی راہ میں رکاوٹ ہے، کیونکہ ہمارا یہ اعتراض آئین کی تائید کرتا ہے، اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے، کسی کا قادیانیوں کے لیے کوئی دعویٰ کرنا، یا قادیانیوں کے لیے پیش گوئی کرنا، یا اپنے آپ کو جھوٹ سے قادیانی ظاہر کرنا، یا قادیانیوں کی نمائندگی کرنا، بغیر قادیانیوں کے دین کی حقیقت کو اعلانیہ بیان کیے ہوئے، تو ایسا کرنا نہ صرف ہمارے اس اعتراض کی خلاف ورزی ہے، بلکہ آئین کی بھی خلاف ورزی ہے۔ اس طرح کے واقعات پہلے بھی رونما ہوچکے ہیں اور دوبارہ بھی ہوسکتے ہیں، اور ماضی کی طرح امن وامان کی صورت حال خراب ہونے کا بھی ذریعہ بن سکتے ہیں۔

۲۴:- پاکستان اس بات کی یقین دہانی کراتا ہے کہ، احمدیوں/ قادیانیوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے گی، اگر وہ اس بات کی یقین دہانی کرادیں کہ:

''وہ اپنے آپ کو بحیثیت اقلیت اندراج کروائیں گے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آرٹیکل۲۰ آرٹیکل۲۰ [بی] آرٹیکل۲۰ سائنوپسس سکشن۴ (۴-۲)، آرٹیکل ۳۶ آرٹیکل ۳۶ [۲] اور آرٹیکل۲۶۰ (۳) پرعمل کریں گے۔''

''وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے گمراہ کرنا چھوڑ دیں گے اور مسلمانوں کے دین، اوراحمدیوں کی اپنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل۲۰ سائنوپسس سکشن۴ (۴-۲) کی خلاف ورزی، کے بارے میں جھوٹی افواہیں پھیلانا چھوڑ دیں گے۔

وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۳۶، ۳۶ [۲] اور ۲۶۰ [۳] اور پی پی سی ۱۹۸۰ء کے سیکشنز ۲۹۸ بی اور ۲۹۸ سی کی آئندہ خلاف ورزی نہیں کریں گے، اور کوئی اور ایسی خلاف ورزی نہیں کریں گے جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے خلاف ہو۔

منظور احمد میوراجپوت ایڈوکیٹ

معترض، منجانب: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

ہم اقوام متحدہ سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ ان ممالک کو بھی اپنی جانب سے ہدایات دیں جو اُن کی پشت پناہی کررہے ہیں، اس لیے کہ یہ مسلمانوں کے دینی تشخص اور ان کے مذہبی عقائد کے تحفظ کا معاملہ ہے، جس میں غیرمسلم ممالک کی مداخلت یا مسلمانوں سے علیحدہ ایک اقلیت کی پشت پناہی سے مسلمان ممالک میں انتشار اور فتنہ وفساد پھیلنے کا ہمیشہ سبب بنتا ہے۔ اس لیے یہ قادیانی اور لاہوری حضرات آئینِ پاکستان کو مانتے ہوئے اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ ایک اقلیت تسلیم کرلیں تو جھگڑا ہی ختم ہوجائے، کیونکہ ان قادیانیوں اور لاہوریوں کے علاوہ کسی اقلیت کو پاکستان سے یا مسلمانوں سے کبھی کوئی شکوہ یا شکایت نہیں رہی اور یہ شکایت ہو بھی کیسے سکتی ہے جب کہ ہمارا دین اسلام اقلیت کے حقوق کی ادائیگی کا درس دیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو ہدایت دے اور اس بات کی توفیق دے کہ یہ لوگ خود مرزا قادیانی کے خودساختہ مذہب سے لاتعلق ہوکر حضور اکرم ﷺ کے دامن سے وابستہ ہوجائیں۔ ان شاء اللہ! اس سے جہاں ان کی دنیا سنور جائے گی، وہاں ان کی آخرت بھی بن جائے گی، وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز.

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

....۞.....۞.....۞.....

اسلام ''دین کامل'' ہے

اس میں کسی بھی ''ازم'' کی گنجائش نہیں

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

''محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم تقریر جو آپ نے حرمین شریفین کی زیارت اور حج سے واپسی کے دوسرے دن بروز جمعہ ۲۱؍ مارچ ۱۹۶۹ء کو ایک مجمع کثیر کے سامنے جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن میں فرمائی اور ماہنامہ بینات میں اس کا اختصار ''بصائر وعبر'' میں پیش کیا گیا، جس میں موجودہ ملکی وعالمی حالات پر تبصرہ کے ساتھ ساتھ عوام وخواص کے لیے لائحہ عمل بھی ہے اور دینِ اسلام کی تکمیل اور جامعیت کا بیان بھی ہے۔ قندِ مکرر کے طور پر ہدیۂ قارئین ہے۔''

خطبۂ مسنونہ کے بعد آیت مندرجہ ذیل تلاوت فرمائی:

''اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْإِسْلَامَ دِیْنًا۔'' (المائدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل بنادیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کیا۔''

عزیزانِ گرامی قدر اور محترم بزرگو! میں آپ سے تقریباً ۲۸؍ روز غیر حاضر رہا، ان دنوں میں آپ پر کیا گزری اس سے آپ سب حضرات خوب واقف ہیں، اس ملک میں اسلام پر جو کچھ بیت رہی ہے اور جو کچھ اس کے ساتھ کیا جارہا ہے اس کے پیشِ نظر میں نے ایک عرصہ سے اخبار بینی تقریباً ترک کردی تھی، کیونکہ ہر روز کوئی نہ کوئی دردناک خبر ملتی تھی اور کسی نہ کسی روح فرسا واقعہ سے سابقہ پڑتا تھا، پھر عریانی وفواحش اور ان کی تصاویر سے اخبارات بھرے ہوتے تھے، اس لیے جب یہاں تھا تو ان سے اجتناب کرتا تھا، لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی خبر کان میں پڑ ہی جاتی تھی، یہاں سے جانے کے بعد رخ ہی دوسری طرف تھا، اس لیے خود کو خالی الذہن کرلیا تھا، لیکن ان ۲۸؍ دنوں میں جو کچھ اس ملک پر گزرا

اور برسوں کی مسافت جو چند دنوں میں طے ہوئی وہ ایسا واقعہ نہیں ہے کہ اس سے صرفِ نظر کیا جائے اور ذرا بھی غفلت برتی جائے۔ ہم آپ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، جب کشتی ڈوب رہی ہو تو ہر مسافر کو اس کے بچانے کی فکر میں لگ جانا چاہیے۔ کچھ تو میں نے حرمین شریفین میں اس بدقسمت ملک کے بارے میں سنا اور کچھ یہاں آ کر بعض کرم فرماؤں نے بتلایا۔ ان خبروں اور حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان آج اپنی تاریخ کے انتہائی نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ دنیا میں انقلابات آتے ہیں، سازشیں ہوتی ہیں، طوائف الملوکی پھیل جاتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ آج کسی کے لیے تختِ سلطنت ہے تو کل اس کے لیے تختہ دار ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے، لیکن ہمارا ملک اس سے بھی شدید ترین خطرات سے دو چار ہے۔ داخلی اور خارجی فتنوں نے اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ اس کو گھیر رکھا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، روس اور چین ایک عرصہ سے اس ملک کو اپنی چراگاہ بنائے ہوئے تھے اور اپنے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ عمل جراحی میں مصروف تھے، ان سب کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک کو اپنی حالت میں رہنے نہ دیں اور یہ ملک جس مقصد کے لیے بنایا گیا تھا، اس سے اس کو کوسوں دور ڈال دیں۔

برطانیہ ایک زہریلے بچھو کی طرح نیشن زنی میں مصروف رہتا ہی ہے۔ برطانیہ کی تاریخ جس قدر قدیم ہے، اسلام اور مسلمانوں سے اس کی عداوت بھی اتنی ہی قدیم ہے، اس کی خواہش ہمیشہ سے یہ ہے کہ یہ ملک مسلمان ملک کی حیثیت سے زندہ نہ رہے۔ امریکہ دوسرا شیطان ہے جو اسی فکر میں ڈوبا ہوا ہے کہ پاکستان ختم ہو جائے اور ہندوستان اس پر حاوی اور قوی ہو جائے، اس پر وہ کروڑوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ روس بڑا بدمعاش ہے، وہ چاہتا ہے کہ لگے ہاتھوں وہ بھی اپنے بلاک کو وسیع کر لے، امریکہ کو شکست دے دے اور دنیا کو اپنے غیر فطری اُمور، خدا دشمن نظام کمیونزم کی لپیٹ میں لے لے۔ درمیان میں ایک نیا شیطان اور آ نکلا ہے جس کا نام چین ہے، وہ بھی اپنی للچائی ہوئی نگاہیں پاکستان پر اور افریقہ و ایشیا کے دوسرے ملکوں پر ڈال رہا ہے۔ یہ تمام دشمن ملک کے موجودہ حالات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی توقعات اب وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہیں اور اپنے جالوں کے پھندے بڑے تیزی سے کس رہے ہیں۔ اِدھر ملک میں کچھ حضرات جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے وہ ان بیرونی ملکوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ صدر صاحب اپنے اعمال کا نتیجہ بھگت رہے ہیں، اپنے دہ سالہ کرتوتوں کی سزا پا رہے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

’’قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔‘‘ (آل عمران:۲۶)

’’آپ کہا کریں: اے اللہ! تو ہی ہے بادشاہت کا مالک، جس کو چاہتا ہے سلطنت سے نوازتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت وحکومت کو چھین لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت

سے سرفراز فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت ورسوائی سے ہمکنار کرتا ہے۔ خیر تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے۔ بلا شبہ تو ہر چیز پر قدرتِ بیکراں رکھتا ہے۔‘‘

صدر صاحب آج معکوس حالت سے دوچار ہیں، وہ کل تک عزیز تھے، انہیں ملک کا نجات دہندہ سمجھا جارہا تھا، اس زمانہ میں کہا جارہا تھا کہ سمندر نے بھی سونا اگلنا شروع کردیا۔ سمندر نے سونا بے شک اگلا اور خوب اگلا یہ اور بات ہے کہ وہ سونا بعد میں پیتل بن گیا، پھر آپ کو وہ زمانہ بھی یاد ہوگا جب ہندوستان نے پاکستان کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا تھا، صدر صاحب کی زبان سے کلمہ طیبہ نکلا اور تقریر سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی عادت پڑی، ریڈیو بھی مسلمان ہوگیا، حکومت مسلمان ہوگئی، فوج بھی مسلمان ہوگئی، فوجیوں نے جامِ شہادت نوش کیے، اخلاص اور کامل اخلاص سے لڑے، مساجد نمازیوں سے بھر گئیں۔ آخر کار مسلمانوں کی جان میں جان آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ملک کو بچالیا، پھر یکا یک ملک کے حالات بدلے یا زبردستی ان کو بدلا گیا، دینی فضا جو قائم ہوئی تھی اس کو فواحش ومنکرات اور ٹیڈی ازم کے نرغے سے ختم کیا گیا۔ بہر حال اس وقت ملک جن خطرات سے دوچار ہے، اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو طبقے ہیں جن کے ذمہ میں فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ میدان میں اُتر کر اس ملک کو خطراتِ کفر والحاد اور بے چینی کے تسلُّط سے بچائیں اور اسلام اور امن وسلامتی کے راستہ پر ملک کو چلا کر عزت وسرفرازی سے ہمکنار کریں۔

علماء کی ذمہ داری اور ان کے فرائض

ایک طبقہ علماء کا ہے، علماء پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کامل اخلاص اور پوری تندہی سے اس وقت کام کریں، وہ یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو عزت دی ہے وہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے دینِ مبین کا صدقہ ہے، مسلمانوں میں ہماری جو کچھ عظمت واحترام اور ادب ہے وہ سب اللہ کے دین سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ آج اس ملک میں اسلام پر جو کچھ گزر رہا ہے یا گزرنے والا ہے اس میں علماء کیا کردار ادا کریں گے؟ دنیا کی آنکھیں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ علماء جو کچھ کریں گے تاریخ اپنے سفینوں میں اور قوم اپنے سینوں میں اس کو ہمیشہ محفوظ رکھے گی۔ آج علماء کے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم حق کہیں اور حق کے لیے کہیں اور حق تعالیٰ جل مجدہٗ کی رضا وخوشنودی کے لیے کہیں اور جو کام کریں نفس کا شائبہ تک اس میں نہ ہو، وہ حدیثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تو علماء کے سامنے ہوگی اور پڑھی اور پڑھائی ہوگی:

’’قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے پہلے علماء، مجاہدین، سخاوت کرنے والوں کی پیشی ہوگی، سب سے پہلے علماء کی باری آئے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے علم کس لیے حاصل کیا تھا؟ عرض کریں گے کہ: تیری رضا کے لیے۔ ارشاد ہوگا: غلط کہتے ہو، تم نے علم اس لیے حاصل کیا تھا کہ

تم کو عالم کہا جائے اور لوگ تمہاری عزت کریں، چنانچہ ایسا ہو گیا (لوگ تمہیں عالم کہنے لگے) پھر حکم ہوگا ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دو اور وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اسی طرح مجاہدین کا نمبر آئے گا اور ان سے بھی یہی سوال و جواب ہو کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آخر میں سخاوت کرنے والے آئیں گے اور ان پر بھی یہی ماجرا گزرے گا۔'' (صحیح مسلم)

لہٰذا علماء ربانیین کا اہم فریضہ ہے کہ وہ سروں سے کفن باندھ کر میدان میں آجائیں، بہت بے حسی اور غیرتی کی بات ہوگی کہ دین پر نازک ترین وقت آجائے اور ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں اور تاویلیں کرتے رہیں کہ ابھی عزیمت کا وقت نہیں، رخصت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا، علماء خاموشی سے نہیں بیٹھیں گے، **إن شاء اللّٰہ ثم إن شاء اللّٰہ.**

ہماری تو آرزو ہے کہ دین کے تقاضے ہم سے پورے ہو جائیں، الحمد للہ بیس ۲۰ رسال سے شہادت کی آرزو سے اپنے سینہ کو گرم کر رکھا ہے، اس سے بڑی کیا خوش نصیبی ہوگی کہ اس کی راہ میں شہادت نصیب ہو، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ علماء کی طرف سے کام ہو مگر صحیح، درست، عقل اور تدبیر سے ہو، اللہ کو راضی کرنے کے لیے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہو، **وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز.**

عوام کے فرائض وذمہ داریاں

دوسری ذمہ داری عام مسلمانوں کی ہے جن سے اس وقت میں مخاطب ہوں، اگرچہ اس ملک میں ملاحدہ، زنادقہ، بے دین اور اسلام سے منحرف لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، تاہم ملک کی بھاری اکثریت حلقہ بگوشِ اسلام ہے جو اس ملک میں اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہے اور اسلام سے روگردانی اور انحراف کو سب سے بڑا گناہ تصور کرتی ہے، ان ہی حضرات کے سامنے میں اپنی معروضات پیش کر رہا ہوں کہ:

آپ اس وقت سخت امتحان میں ڈال دیئے گئے ہیں، آپ علماءِ حق کی دعوت پر لبیک کہیں اور ان فتنوں سے نبرد آزما ہونے میں علماء کا ہاتھ بٹائیں، عوام مسلمین کی قربانیاں اسی وقت نتیجہ خیز ثابت ہوں گی، جب یہ صحیح قیادت کے تحت کام کریں اور صحیح قیادت علماءِ ربانیین ہی کی ہوسکتی ہے:

لا یصلح الناس فوضٰی لا سراۃ لھم ولا سراۃ إذا جُھالھم سادوا

''صحیح قیادت کے بغیر انتشار اور پراگندگی کی حالت میں لوگوں کی حالت بہتر نہیں ہوسکتی اور جاہلوں کی سیادت کو صحیح قیادت نہیں کہا جاسکتا۔''

آپ کو معلوم ہے کہ اس مسلمان ملک میں سوشلزم اور کمیونزم کے نعرے لگ رہے ہیں اور بڑے زور وشور کے ساتھ لگائے جارہے ہیں، جہنم کی طرف لے جانے والے ائمۂ ضلال وفسق لوگوں کی

قیادت کررہے ہیں، اور خود بھی شرارت اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکارہے ہیں اور لوگوں کو بھی اس پر آمادہ کررہے ہیں۔ اب ہماری خاموشی بدترین جرم ہوگی، اگر دین دار مسلمان اسلام کی حفاظت وصیانت اور دفاع سے خاموش ہوگئے تو یہاں اسلام ختم ہوجائے گا اور دنیا کے نقشہ سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا، اس موقع پر قرآن کریم آپ کو پکاررہا ہے اور کہہ رہا ہے:

’’وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ.‘‘ (حج:۷۸)

’’جہاد کرو اللہ کے راستہ میں، جیسا کہ حق ہے اس کے راستہ میں جہاد کرنے کا۔‘‘

یہاں پر یہ دردناک حقیقت بھی سنتے جائیے کہ پچھلے دنوں ڈھاکہ میں حزبِ اختلاف کی آٹھ جماعتیں جمع ہوئیں اور ان کا اسلام پر اتفاق نہ ہوسکا، چند سلبی چیزیں ان کے اتفاق وائتلاف کے نقطے بن سکیں، لیکن نظامِ اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین اتفاقی نقطہ نہ بن سکا۔

شروع میں میں نے آپ کے سامنے جو آیتِ کریمہ تلاوت کی ہے، اس کے متعلق آپ جانتے ہوں گے کہ یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی؟ ذوالحجہ کا مہینہ تھا اور اس کی نویں تاریخ تھی، عرفہ کا دن تھا، حضور اکرم ﷺ کی عمر مبارک کا ۶۳ واں برس تھا، نبوت کا تیئیسواں سال تھا، جمعہ کا دن تھا، عصر کا وقت تھا، آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے، مخاطبین میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، حسن، حسین رضی اللہ عنہم اور ایک لاکھ صحابہؓ موجود تھے، یہ ایک مجمع تھا کہ چشم فلک نے اس سے زیادہ مقدس، اس سے زیادہ پاکیزہ، اس سے زیادہ جاں نثار مجمع نہیں دیکھا اور نہ کبھی دیکھے گا۔ اسلامی تاریخ نے یہ سب کچھ محفوظ کر رکھا ہے اور اس طرح کہ اس سے زیادہ حفاظت کا تصور نہیں کیا جاسکتا، پھر مسلمانوں نے اپنے ہادیِ برحق خاتم الانبیاء ﷺ کی سیرت اور آپ کے انفاسِ قدسیہ کو تو اس طرح محفوظ کررکھا ہے کہ کوئی قوم نہیں کرسکتی۔ آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ حدیث وسیرت میں محفوظ ہے۔ الغرض آیتِ کریمہ میں فرمایا جارہا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارا وہ دین جس کا سلسلہ نہ صرف ۲۳ سال بلکہ ہزاروں سال پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے جاری تھا، مکمل وکامل کردیا اور نعمت یعنی نعمتِ نبوت یا نعمتِ اسلام یا اللہ سے تعلق کو پورا کردیا۔ اب دنیا میں تمہاری فلاح اور دنیا وآخرت دونوں میں تمہاری فلاح ونجات صرف دینِ اسلام سے وابستہ ہے، تمہاری صلاح وفلاح کسی بھی ازم یا نظامِ حیات سے وابستہ نہیں ہے۔

غور فرمایئے: جب یہ آیتِ کریمہ اُتری ہے، اس وقت دنیا میں مختلف اور متعدد مذاہب اور نظامہائے حیات موجود تھے، مختلف ’’ازم‘‘ موجود تھے، جن سے دنیا آشنا تھی، آج جو کچھ دنیا میں ہورہا ہے اس کی ابتدائی شکلیں اس وقت موجود تھیں، لیکن ربِ کریم نے ان سب پر خطِ تنسیخ پھیر کر اسلام اور صرف اسلام کو ہماری خیر وفلاح کا ضامن ٹھہرایا ہے، کیونکہ اس قانون کا بنانے والا رب العالمین، أحکم الحاکمین، أرحم الراحمین ہے، جس کی مدح وثناء ہم عاجز بندے کر ہی نہیں سکتے، پھر نہ

صرف یہ کہ اس نے اس دین کو پسند کیا، بلکہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اعلان فرمایا:

’’وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِیْ الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ‘‘ (آل عمران:۸۵)

’’جو شخص اسلام کے علاوہ کسی نظام کو اپنا دین بنائے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ اُٹھانے والوں کی فہرست میں شمار ہوگا۔‘‘

کمالِ دین کا مطلب اور اس کا معنی

یہ بھی سمجھئے کہ کمالِ دین کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دین میں عقائد، عبادات، احکام، معاملات، معاشرت، قانونِ صلح و جنگ، اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات سب کچھ موجود ہو، ورنہ اگر انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایک شعبہ بھی نہ ہوتو وہ کامل نہیں ہوسکتا، وہ ناقص اور محتاجِ تکمیل کہلائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اس دین کو کامل فرمارہے ہیں اور واقعتاً اس میں سب کچھ موجود ہے، تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم امریکہ، روس یا چین سے کسی ازم کی بھیک مانگیں، درحقیقت کسی بھی دوسرے ازم سے بھیک مانگنا اور اسلام میں اس کا پیوند لگانا شرک فی الربوبیۃ ہے، جو شرک کی بدترین قسم ہے اور جو شخص اس کو جائز سمجھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کی خیر منائے، نہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور نہ آخرت پر۔ موجودہ حالات کے تحت اسلام کے معاشی نظام کی ترتیب و تنظیم زیرِغور ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے، تاکہ مثبت پہلو میں دین کا یہ نقشہ آپ کے سامنے آجائے۔

ساری دنیا کا محور آج کل پیٹ کا مسئلہ ہے، اسلام نے پیٹ کے مسئلہ کو حل کیا ہے، لیکن اس کے پسِ منظر میں انسان کو حیوان سے اور جانوروں سے ممتاز کرنے کی غرض سے ایک مستقل نظامِ روحانیت یعنی عقائد وعبادات، اعمالِ صالحہ و اخلاقِ فاضلہ کو محفوظ رکھا ہے۔ اس کے برعکس امریکہ نے زراندوزی اور عیش کوشی کو ہی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ روس اور چین نے پیٹ کے مسئلہ کو جیسا تیسا حل کیا، لیکن انسان کو جانور بنا کر ساری انسانی مکرمت اور توقیر چھین لی اور تمام اخلاقی اور روحانی اقدار کو پامال کر کے نرا حیوان بنا ڈالا، اسلام ہی وہ دینِ کامل ہے جس نے انسان کا صحیح مقام اس دنیا میں متعین کیا اور اس کو وہ نظامِ حیات دیا ہے جو اس کے شایانِ شان ہے، اسلام میں صرف روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ جانوروں کا نعرہ تو ہوسکتا ہے انسان کا نعرہ ہرگز نہیں ہوسکتا، لہٰذا:

اسلام میں کسی بھی ازم کی گنجائش نہیں ہے، نہ کیپٹل ازم کی، نہ سوشلزم کی، نہ نیشنلزم کی

آج ہمارے ملک میں جو مشکلات ہیں وہ معاذ اللہ اسلام کی پیدا کردہ ہرگز نہیں ہیں، بلکہ لوگوں نے اسلامی نظام جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا تھا، اس کو پس پشت ڈال کر اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو اپنا کر یہ مشکلات خود پیدا کی ہیں، اس ملک میں اسلام کو ایک دن بھی اپنا معاشی نظام

جاری کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اگر اسلام کے معاشی نظام کو یہاں جاری کیا جاتا تو اس کا امکان ہی نہیں تھا کہ ملک کی معاشی حالت اس درجہ پر پہنچتی اور یہ سوشلزم کے کافرانہ نعرے بلند ہوتے۔

اسلامی سوشلزم کا نعرہ

پھر ان سارے نعروں میں سب سے زیادہ دلچسپ یا تکلیف دہ نعرہ اسلامی سوشلزم کا ہے، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟! یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ کہا جائے: ''اسلامی دہریت''، ''اسلامی لادینی''، ''اسلامی شراب''، ''اسلامی قحبہ خانہ'' بلکہ میرے نزدیک ''اسلامی سوشلزم'' اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس سے تو اسلام کے عقیدہ پر زد پڑتی ہے کہ دین مکمل نہیں ہے۔

اگر کوئی دین وایمان سے کورا انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ موجودہ دور بدل گیا ہے، اس لیے ہمیں نئے نظام کی ضرورت ہے تو ایسا شخص کافرانہ غلطی میں مبتلا ہے اور اس کا ایمان اللہ اور اس کے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ قانون تو اللہ علیم وخبیر کا بنایا ہوا ہے، جو قیامت تک آنے والی نسلوں، ان کے امراض وعوارض، ان کی حاجات وضروریات، مرغوبات ومیلانات کو جاننے والا تھا اور ہے، اس کا علم گزشتہ اور آئندہ سب پر محیط ہے، اس کی قدرت کامل ہے، اس نے اپنے اس ابدی قانون میں اپنے علم اور قدرت دونوں کو سمو دیا ہے، اب نہ کوئی قانون آنے والا ہے، نہ کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے، اب ہماری ہدایت کے لیے یہی نسخۂ کیمیا کافی وشافی ہے۔

اب اس وقت آپ کے سامنے کام کی ترتیب یہ ہے:

الف: ...... جہاد باللسان، یعنی زبان سے جہاد۔ علماء اس میں پہل کریں، آپ ان کی معادنت کریں اور اپنے ماحول وگردوپیش میں اسلام کے لیے مسلسل کام کرتے رہیں۔

ب: ...... جہاد بالقلم، جو شخص لکھنے کی قدرت وصلاحیت رکھتا ہے وہ ان فتنوں کے خلاف لکھے، اخبار نویس اخبارات میں، مصنفین ومؤلفین رسائل وکتابوں میں۔

ج: ...... جہاد بالقوۃ، یعنی ضرورت کے وقت اپنے دست بازو کی قوت کو کام میں لائیں اور ان فتنوں کی بیخ کنی کرکے ہی دم لیں۔

ان شاء اللہ! آپ مجھے اس کام میں پیچھے نہ پائیں گے، آپ سپاہی ہوں گے اور میں آپ کا قائد، اسلام کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، جلد ہی ان شاء اللہ کچھ اور چیزیں اور پروگرام کی تفصیل آپ کے سامنے آئے گی۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مکرم ومحترم جناب مولانا دام مجدکم السامي

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بندہ مع الخیر ہے، امید ہے کہ آپ مع اہل وعیال بعافیت ہوں گے۔ مولانا احتشام الحق صاحب سے جناب کی سفرِ حجاز سے بعافیت واپسی کا مژدہ معلوم ہوکر بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ حج مبرور قبول فرمائے، اور زیارتِ دیارِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکات سے نوازے، آمین!

موصوف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے فوٹو پہنچ چکے ہیں اور امروز فردا میں پرمٹ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ پہنچ جائے گا۔ میں امسال جہاز کا ٹکٹ لے چکا تھا، لیکن ابتدائے مدرسہ کی مشکلات دیکھ کر سرِدست سفر کا ارادہ ملتوی کردینا پڑا: ’’وَلَا نَدْرِيْ أَشَرٌّ أُرِيْدَ بِمَنْ فِيْ الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا‘‘، تین گھنٹہ یومیہ تعلیمی ذمہ داری کے ساتھ نظامِ عمل کی پوری ذمہ داری سر پر رہی۔ ایک مطلق العنان کے لیے یہ سرتاپا قید بامشقت کسی موہوم اُمید میں چل رہی ہے۔ جناب کے اشتیاق وانتظار میں حدیث کے دو اسباق رُکے ہوئے ہیں، خیال تھا کہ شاید آپ صفر کے کسی حصے میں تشریف لے آئیں گے، اس لیے آپ کے اسباق کا شروع کرادینا سیاسۃً وافادۃً پسند نہ ہوا۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ تشریف آوری کے سامان جلد میسر فرمادے۔

کراچی اُتر کر آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی ضرورت تمام پاکستان کو ہے اور غالبًا آپ کو بھی ضرورت پاکستان کی ہوگی۔ انگریز کا بویا ہوا تخم جلد تو فنا نہیں ہوسکتا، لیکن اگر مملوک زمین سے فاسد تخم، فنا نہیں کیا جاسکتا تو اس میں زمیندار کی بھی بڑی حد تک کوتاہی ہوگی۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعتِ

دین کا فریضہ مشترک ہے، لیکن اس کی ذمہ داری سب سے پہلے جماعتِ علماء کے سر عائد ہوتی ہے ۔ آپ مجھ سے خوب واقف ہیں، بندہ جماعتی زندگی کا اہل نہیں اور نہ گزشتہ زندگی میں اس کا عادی رہا، اب کہ نداء ’’الرحیل، الرحیل‘‘ ہر وقت کانوں میں آرہی، بھلا اس کا ذائقہ کیا لے سکتا ہوں؟! تاہم اب محض مدرسہ کی خاطر وہ سب کچھ کرلیتا ہوں جس میں ایک ایک کے ترک کا عزم کرچکا تھا، آپ جیسے اہل حضرات آجائیں اور اپنی کسبی اور فطری استعداد سے مدرسہ کی تربیت فرمائیں تو یہ قومِ مسلم کی خوش نصیبی ہوگی ۔ آخر میں حج کی مبارک باد دوبارہ پیش کرتا ہوں، اور اساتذہ کرام کی طرف سے بھی پیامِ تہنیت پیش کر کے رخصت ہوتا ہوں:

وفي النفس حاجاتٌ وفيک فطانة　　　سکوتي بیان عندها وخطاب

والسلام

العبد الاحقر محمد بدرِ عالم عفی عنہ

مدرسہ دار العلوم ٹنڈو الٰہیار، حیدرآباد، سندھ

۴ ربیع الاول ۷۰ھ

مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مخلص ومکرم جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دام مجدکم السامي

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوبِ گرامی مدتِ مدید اور انتظارِ شدید کے بعد موصول ہوا، آپ کی یہ تاخیر پہلے سے کچھ نہ کچھ عنوانِ جواب کی غمازی کررہی تھی، آخر وہ غیر متوقع جواب بصورتِ متوقع سامنے آہی گیا۔ مکرما! اگر آپ کے ساتھ میری یہ طویل مراسلت کسی اپنی غرض کی بنا پر تھی تو پھر آپ کو میری پسندیدگی یا ناپسندیدگی کے تأثر سے بےغم رہنا چاہیے، لیکن اگر کسی علمی ضرورت کی خاطر تھی تو پھر آپ کو اپنے جواب پر نظرِ ثانی کرنی ضروری ہے ۔ مخدوما! وہ دَور نکل چکا جب کہ کسی مقام سے نقل وحرکت کے لیے محتمل نقصانات کا تصور یا مروت وخلافِ مروت طعنوں کا تخیل باعثِ تردُّد بن جاتا تھا۔ اب تو سوال یہ سامنے ہے کہ ان اعذار کی بنا پر اگر علم دفن ہوتا ہو تو کیا اس کو دفن ہونے دیا جائے؟ مسئلہ بالکل صاف ہے، ایک طرف وہ فضا ہے جہاں مشترکہ زبان اردو کو بھی سانس لینے کی اجازت نہیں، گاندھی جیسے لیڈر کو بھی اپنے جذبات کے خلاف ایک کلمہ نکالنے پر جینے کا حق نہیں، دوسری طرف وہ ماحول ہے جس کی تعمیر میں ہمارے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا، بلکہ ہمارے غیض وغضب کا آتش اس کے خاکِ سیاہ

کرنے میں ہمیشہ بھڑکتی رہی، اس کے ساتھ یہ بھی فراموش نہ کیجیے کہ ایک طرف وہ سرزمین ہے جہاں ایک نہیں متعدد اکابر علماء کا سایہ موجود ہے، صرف مدارس ہی نہیں بلکہ مراکزِ علمیہ بھی موجود ہیں۔ دوسری طرف اکابر میں صرف ایک ہستی (۱) تھی اور اب وہ بھی ہم کو داغِ مفارقت دے چکی ہے، مراکز تو درکنار مدارس بھی برائے بیت ہیں۔ اب سوچیے کہ علم صرف اپنی سرپرستی نہیں بلکہ اپنے نقطۂ نظر کی سرپرستی کے لیے بھی جائے تو کہاں جائے؟! اور اسی روشنی میں یہ بھی فیصلہ فرمایئے کہ آپ کے لیے وہ خطۂ زمین زیادہ مفید ہے جہاں مذہب کا نام لینا علمِ جنگ بلند کرنے کے مرادف ہو، یا وہ جس کی بنا ہی مذہب کے نام پر ہوئی ہو؟! مولانا! یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ایک مسلمان جب تک کہ وہ دامنِ اسلام سے وابستہ ہے، اگر آپ کی حمایت نہیں کرے گا تو مخالفت بھی نہیں کرسکتا، خواہ وہ کتنا ہی آزاد منش کیوں نہ ہو، اور اگر بالفرض کرے بھی تو رائے عامہ کبھی اس کے ساتھ نہیں جاسکتی۔ یہ درست ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے آئندہ وعدوں کے بھروسے پر زندگی گزار دیں، لیکن یہ تو بتایئے کہ وقت کی فرصت اور حالات کی مساعدت کیا موجودہ وقت کی طرح ہمیشہ ہمارا ساتھ دیتی رہے گی؟! بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ابنائے جنس ہمیشہ وقتی بخشائش سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور ہمیشہ بعد از وقت ہی بیدار ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد بھی جب اس کے عواقب کا مشاہدہ کرلیتے ہیں تو اپنے ناخنِ تدبیر کی طرف نظر نہیں کرتے، بلکہ تقدیر کے سر لگا کر ''حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل'' کی تسبیح گھمانا، عقل و فراست، اور دین وتقویٰ کی آخری معراج تصور کرلیتے ہیں۔ محترما! اگر ہمارے سامنے صرف ایک معمولی درسگاہ کی تاسیس کا سوال ہوتا تو آپ کو تکلیف دینے کی حاجت نہ ہوتی، یہاں تو مرکز کے قیام کا سوال ہے، اگر اس میں مرکزی شخصیتیں جمع نہ ہوئیں تو پھر یہ صرف ایک بےحقیقت نام رہے گا۔ صاف بات کہنے میں مضائقہ نہیں، اگر یہ حقیر عہدِ شباب سے نکل کر دورِ پیری میں قدم نہ رکھ چکا تھا تو بفضلہٖ تعالیٰ کمر کس کر اس میدان کو تنہا جیتنے کی ہمت کرلیتا، لیکن اب جب کہ میری صحت خستہ ہے اور ہمت شکستہ، عضو عضو سے ''رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ'' کی آواز آرہی ہے اور اپنی حیات کا پیمانہ لبریز نظر آرہا ہے، اتنے بڑے کام کے اُٹھانے کی جرأت کیسے کرسکتا ہوں؟! آپ بحمدہٖ تعالیٰ ابھی عنفوان شباب میں ہیں، حفظ جید ہے اور طبیعت وقّاد، اگر ہمت کرجائیں تو مردہ علمی ماحول میں نفَسِ عیسیٰ کا کام کرسکتے ہیں، اور آپ کی بھی وہ نمایاں خصوصیت ہے جو میرے مذاق میں آپ کی علمی خصوصیات سے کسی طرح کم نہیں،

حاشیہ: (۱).... بظاہر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، جو تقسیمِ ہند و قیامِ پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد دسمبر ۱۹۴۹ء میں سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے تھے۔

ہمیں مستعد علماء سے زیادہ وہ علماء درکار ہیں جن میں دوسروں کے مستعد بنانے کی صلاحیت بھی ہو۔ اور یہ یاد رہے کہ دارالعلوم قائم ہوگا اور ضرور ہوگا، مگر شاید وہ آپ کے زاویۂ نظر کے مطابق نہ ہو۔ اس وقت آپ وقت کے گزر جانے پر کفِ افسوس نہ ملیں اور نااہلوں کی قیادت کا شکوہ بھی نہ فرمائیں۔ اب وقت ہے، میدان میں کوئی حریف بھی نہیں ہے۔ آیئے! اپنے علمی ماحول کو جس قالب میں چاہے ڈھال لیجیے۔ جامعہ کا غم نہ کھایئے، اگر وہ پہلے اصحاب کی علیحدگی سے ختم نہیں ہوا تو اب بھی ختم نہیں ہوگا اور اگر مجھ سے پوچھیے تو جب وہاں آپ کے صحیح مخاطب ہی نہیں تو وہ آپ کی موجودگی میں بھی ختم ہے۔ شاہ صاحبؒ کی یادگار خود آپ ہیں، جہاں جائیں گے قائم ہوجائے گی۔ یہ فقرہ میرے کانوں میں بھی پھونکا گیا تھا، مگر میں نے تو اس کو برسات کے مچھر کی آواز سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا۔ جی ہاں! تو خلاصہ یہ ہے کہ اب آپ آ ہی جایئے، اور چوروں کی طرح نہیں، بلکہ احیائے علم کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردینے والے بہادروں کی طرح: ''وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً''۔ یہاں والد ماجد کی خدمت کے ارمان بھی بسہولت نکل جائیں گے، حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کی اشاعت بھی زیادہ سے زیادہ ہوسکے گی۔ اور اگر دارالعلوم کے مؤسسِ اول بننے کی سعادت آپ کے نصیب میں آگئی تو رہتی دنیا تک یہ صدقہ جاریہ بھی رہے گا۔ اگر سفرِ حجاز مقدر ہوگیا تو جو باتیں وہاں ہوں گی وہ یہ نہیں، یہاں تو قصۂ زمین برزمین طے ہوجائے تو زیادہ انسب ہے۔ یہ عریضہ احقر نے جذبات کی رو میں نہیں لکھا، آپ بھی تأثرات کے تحت مطالعہ نہ فرمائیں۔ مشاہرہ ذرا مدرسہ شروع ہوجائے تو زیادہ سے زیادہ ہوگا، میں نے ابھی قصداً زیادہ پسند نہیں کیا، بہرحال علماء کے نام پر ایثار کا لفظ اچھا ہے: ''وَلَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا۔''

پس نوشت: نصابِ تعلیمی کے سلسلہ میں جو یادداشت آپ نے مرتب کرنی شروع کی تھی، اگر وہ ارسال فرمادیں تو بہتر ہے۔ داخلہ کا فارم عربی میں چاہتا ہوں، اگر اس کا ایک نقشہ مع سرخیوں کے تجویز فرمادیں، جیسا جامعہ ازہر وغیرہ میں ہوتو یہاں اسی کے مطابق طبع کرالیا جائے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جامعہ کا ماحول اسکولوں کی طرح بالکل عربی ہو، درخواستیں اور تعلیم بالا سب عربی میں، اس لیے (اس) خیال پر بنیاد رکھی جانے کی تمنا ہے، آپ کے بغیر یہ تمنا کیسے سرسبز ہوسکتی ہے؟!۔

والسلام مسک الختام

وانا العبد بدر عالم عفی اللہ عنہ

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ....

حضرت علاّمہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ایک بلند پایہ محدّث، مایۂ ناز ادیب اور خداترس مہتمم

(دوسری قسط)

مفتی عبدالرؤف غزنوی
سابق استاذ: دارالعلوم دیوبند، انڈیا
حال استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور حضرت علاّمہ کشمیریؒ سے وابستگی

ابتدائی اور متوسّط درجات کی تعلیم کے بعد حضرت علاّمہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے مشہور ومعروف دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، جہاں ۱۳۴۵ھ کو آپ کا داخلہ ہوا اور تقریباً دو سال دارالعلوم دیوبند میں قیام فرماکر درجہ موقوف علیہ تک تعلیم مکمل کرلی۔ دارالعلوم دیوبند میں اس وقت کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت علاّمہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد متاثر ہوئے، اور تاریخ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ باوقار وباصلاحیت شخصیت بننے کے لیے کسی عظیم اور رجال ساز شخصیت کی خصوصی صحبت ونسبت درکار ہوتی ہے۔ ماضی بعید میں تو اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، اور اگر ماضی قریب میں بھی دیکھا جائے تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی صحبت نے شیخ الہند بنادیا اور حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو حکیم الامت اور حضرت علاّمہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو محدّث العصر اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو شیخ الاسلام بنادیا۔

اسی حقیقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں بھی حضرت علاّمہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خصوصی صحبت کے حصول اور ان کے دامنِ فیض سے وابستہ ہونے کی تمنا پیدا ہوئی! اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے ایک دفعہ فصیح وبلیغ عربی زبان میں ایک مفصل عریضہ لکھ کر حضرت علاّمہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں پیش کیا، جس میں ان سے استدعا کی گئی تھی کہ مجھے اپنا خادم بنالیں۔ حضرت علاّمہ کشمیریؒ نے عریضہ پڑھ کر ایک مشہور مصرع ''قدرِ زر زرگر بداند قدرِ گوہر گوہری''

کے مطابق حضرت بنوریؒ کے اندرونی جوہر کو بھانپ لیا اور عریضہ اپنے پاس رکھ کر دوسرے فارغ وقت میں ملنے کو کہا۔ حضرت بنوریؒ جب مقررہ وقت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علامہ کشمیریؒ نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ: ''عربی ادب کہاں پڑھا ہے؟'' حضرت بنوریؒ نے عرض کیا کہ: ''کہیں نہیں''، حضرت علامہؒ نے فرمایا: ''بس آپ کو حاجت نہیں، اتنا کافی ہے۔'' اور یہ بھی فرمایا کہ: ''میں آپ کو اپنے ساتھ ملحق کرلوں گا۔'' یہیں سے حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے حضرت بنوریؒ کی خصوصی وابستگی کا آغاز ہوا۔

اپنے استاذ حضرت علامہ کشمیریؒ کے ساتھ دیوبند سے ڈابھیل منتقلی

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ علمائے دیوبند کے علوم کی برکات سے ''گجرات'' کا دورافتادہ علاقہ جو ایک بدعت کدہ بنا ہوا تھا' براہِ راست منور ہوجائے اور بدعات وخرافات کے بجائے اس علاقہ میں سنت وعلومِ نبوت کو پھیلنے کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ اس طرح ظاہر ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کے اندر اربابِ انتظام اور بعض اساتذہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، جس کے نتیجے میں حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور چند دیگر اساتذۂ کرام نے استعفے پیش کردیئے، اور حضرت شاہ صاحبؒ کا ارادہ یہ تھا کہ تدریس کو خیرباد کہہ کر بقیہ زندگی یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کرنے اور دیگر انفرادی علمی مشاغل کے ساتھ گزاریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا، چنانچہ ہر طرف سے دینی اداروں کے منتظمین حضرات ان کو اپنے اپنے اداروں میں تدریس کی دعوت دینے لگے، بالآخر یہ سعادت صوبہ گجرات میں واقع ''مدرسہ تعلیم الدین - ڈابھیل'' کو نصیب ہوئی اور حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس کی طرف سے پیش کی گئی درخواست کو منظور فرمایا اور ''دیوبند'' سے ''ڈابھیل'' منتقل ہوکر ''مدرسہ تعلیم الدین'' کے اندر خدمتِ حدیث میں مصروف ہوگئے، آپ کے ساتھ چند دیگر اساتذۂ کرام اور ایک اچھی خاصی تعداد کے طلبہ بھی دیوبند سے ڈابھیل منتقل ہوگئے، جن میں آپ کے خادمِ خاص حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔

جب حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور آپ کے رفقاء ''مدرسہ تعلیم الدین - ڈابھیل'' منتقل ہوگئے اور اپنی خداداد صلاحتیں بروئے کار لانے اور اپنے علمی جواہر پھیلانے لگے تو ہر طرف سے تشنگانِ علمِ نبوت ان کے اردگرد جمع ہونے لگے اور ''مدرسہ تعلیم الدین'' ترقی کے راستے پر گامزن ہوکر ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' بن گیا اور ''دارالعلوم دیوبند'' کے بعد برِصغیر کے دیگر مشہور دینی اداروں میں اس کا شمار ہونے لگا اور اس کے فیوض وبرکات سے صرف اہلِ گجرات ہی نہیں' دیگر علاقوں کے لوگ

بھی مستفید ہونے لگے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ''دارالعلوم دیوبند'' میں حضرت علاّمہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی منتقلی سے پیدا شدہ عظیم خلاء کو پر کرنے کے لیے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کا انتخاب فرمایا، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت علاّمہ کشمیریؒ اور اپنے عظیم استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کو احساسِ محرومی سے بچایا اور اکتیس سال تک شیخ الحدیث وصدر المدرسین کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کی علمی و اصلاحی خدمت میں مصروف رہے۔

اس واقعے سے یہ اندازہ لگانا بھی آسان ہوجاتا ہے کہ علمائے حق کا اختلاف چونکہ ذاتی مفادات ومقاصد کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ دینی اہداف تک پہنچنے کے لیے ان میں سے ہر ایک جس راستے کو بہتر سمجھتا ہے' اسے اختیار کرلیتا ہے، اس لیے ان کا اختلافِ انتشار کے بجائے بالآخر اُمت کے لیے رحمت بن کر مثبت نتائج کا سبب بن جاتا ہے۔

مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل سے فراغت اور حضرت علاّمہ کشمیریؒ سے خصوصی استفادہ

محدّث العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی مردم شناس نگاہوں نے جب حضرت بنوریؒ کی علمی صلاحیتوں اور دینی جذبات کو شناخت کرلیا تو ان کو خصوصی توجہ سے نوازا اور سفر وحضر میں ان کو اپنے ساتھ ہی رکھنے کا اہتمام فرمایا، چنانچہ حضرت بنوریؒ کو ''مدرسہ تعلیم الدین- ڈابھیل'' کی دارالحدیث میں اپنے استاذ مکرم حضرت علاّمہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے عمومی استفادے کے ساتھ ساتھ ان کے مخصوص اوقات میں خصوصی استفادے کا موقع بھی میسر رہا۔ حضرت علاّمہ کشمیریؒ اُن پر بڑا اعتماد فرماتے تھے اور اپنی بعض تالیفات کی روایتوں کی تخریج کا کام ان کے حوالہ کردیا تھا۔ حضرت علاّمہ بنوریؒ نے اپنے شیخ کے حکم کے مطابق دن رات ایک کرکے ان روایات کی تخریج اور اصلی مراجع کی طرف رجوع کرنے کا اہتمام کرتے ہوئے اپنے شیخ کے منشأ کے مطابق کام کیا اور اس دوران چوبیس گھنٹوں کے اندر صرف دوڈھائی گھنٹے آرام کرنے پر اکتفا کرتے رہے۔ اپنے شیخ کی صحبت، خصوصی توجہ اور اپنی انتھک محنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت بنوریؒ کو اپنے شیخ کے رنگ میں رنگ دیا اور ۱۳۴۷ھ کو ''مدرسہ تعلیم الدین- ڈابھیل'' میں حضرت علاّمہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت علاّمہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ جیسے اساتذۂ کرام کے پاس دورۂ حدیث کی تکمیل کرتے ہوئے امتحانِ سالانہ میں پہلی پوزیشن کے ساتھ فراغت حاصل کی، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے اہل علم نے ان کو اپنے شیخ حضرت علاّمہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے علوم کا امین اور ان کا جانشین قرار دیتے ہوئے ممتاز مفسر، جلیل القدر محدّث، عظیم الشان فقیہ، بلند پایہ محقق اور عالی مقام ادیب جیسے القاب سے

نوازا۔ ان تمام ترقیوں کی بنیادی وجہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم کے بعد اپنے شیخ حضرت شاہ صاحبؒ سے حضرت بنوریؒ کی مخلصانہ وابستگی اور اپنی اَنتھک محنت ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

بقدر الکدّ تُکتَسَب المعالي   ومن طلب العُلٰی سَهَر اللیالي

تروم العزَّ ثم تنام لیلاً!   یغوص البحرَ من طلب اللآلي

ومن رام العُلٰی من غیر کدٍّ   أضاع العمرَ في طلب المحالِ

ترجمہ ومفہوم

۱:- بلند مقامات محنت کے مطابق حاصل کیے جاسکتے ہیں، اور جس شخص کو ترقی کی خواہش ہوتی ہے، وہ راتوں کو جاگتا ہے۔

۲:- یہ تعجب کی بات ہے کہ آپ کو ترقی بھی چاہیے اور رات کو سکون کی نیند بھی! حالانکہ جس کو موتیوں کی تلاش ہو، وہ دریا میں غوطہ زنی کرتا ہے۔

۳:- اور جو شخص محنت کے بغیر ترقی کا طلبگار ہوتا ہے، وہ ایک ناممکن کی تلاش میں اپنی عمر ضائع کررہا ہوتا ہے۔

فراغت کے بعد پشاور واپسی

''مدرسہ تعلیم الدین- ڈابھیل'' سے فراغت کے بعد حضرت بنوریؒ اپنے وطن پشاور واپس تشریف لائے اور اپنے والد ماجد کی خواہش پر صرف ایک ماہ کی قلیل مدت میں تیاری کرکے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور چار سال تک پشاور میں جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم پر سیاسی ودینی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ ''مدرسہ رفیع الاسلام بھانہ ماڑی'' میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، اس دوران ان کو جمعیۃ العلماء پشاور کا صدر بھی بنادیا گیا، لیکن چونکہ ان کا مزاج اپنے محبوب استاذ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی طرح خالص علمی تھا اور اللہ تعالیٰ ان سے تصنیف وتدریس کے میدان میں کام لینا چاہتا تھا، اس لیے سیاست سے ان کے دل کو پھیر دیا، جس کے بعد انہوں نے سیاست سے مکمل یکسوئی اختیار کرلی اور اپنی جوانی کی چار سالہ اُس زندگی پر جو سیاست کی نذر ہوگئی تھی، بعد میں اظہارِ افسوس بھی فرماتے تھے، چنانچہ حضرت بنوریؒ کے دیرینہ رفیق و مخلص دوست حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ جو آپ کے ساتھ ہی دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے تھے اور ایک ہی حجرہ میں دونوں کی رہائش تھی اور ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن'' کے ابتدائی صبر آزما ایام میں آپ ہی کی دعوت پر تشریف لاکر جامعہ کے مدرس بن گئے تھے، وہ حضرت بنوریؒ کے

بارہ میں لکھتے ہیں: ’’کراچی کے مدرسے میں جب میں ان کا رفیق کار تھا تو مولانا اکثر مجھ سے بطورِ شکایت فرمایا کرتے تھے کہ: تم مجھے سیاست کی گندی گلی میں گھسیٹ کر لے گئے تھے، مگر دیکھو! میں تم کو علم کے بازار میں گھسیٹ کر لایا ہوں۔‘‘

سیاست سے حضرت بنوریؒ کی کنارہ کشی اور سیاست کے اندر گزری ہوئی چار سالہ زندگی پر ان کا اظہارِ افسوس اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ سیاست اگرچہ مسلمانوں کی اہم ضروریات میں سے ہے اور مسلمانوں کی ایک متبع شریعت جماعت کا اس سے وابستہ ہونا بھی ضروری ہے، تاہم یہ بھی طے شدہ ہے کہ تدریس وتعلیم، تصنیف وتالیف اور دیگر علمی مصروفیات‘ سیاسی مصروفیت کے ساتھ کامیابی کے ساتھ نہیں چل سکتیں۔ اگر حضرت بنوریؒ سیاست سے کنارہ کش ہوکر پوری توجہ تدریس وتعلیم، تصنیف وتالیف اور جامعہ علوم اسلامیہ کی تاسیس وانتظام پر مرکوز نہ فرماتے تو شاید آج ہمارے سامنے نہ تو ’’معارف السنن‘‘ اور آپ کی دیگر تحقیقی تصانیف ہوتیں اور نہ ہی ’’جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن‘‘ جیسا مایۂ ناز دینی ادارہ ہوتا۔

لہٰذا! مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علمی وتحقیقی صلاحیتیں اور ان سے رغبت کی دولت نصیب فرمائی ہو‘ ان کو سیاست سے یکسو ہوکر تدریس وتعلیم، تصنیف وتالیف اور اصلاح و تربیت کے ذریعے دین کی خدمت کرنی چاہیے، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے سیاسی بصیرت اور اس میدان سے دلچسپی عطا کی ہو‘ ان کو دیانت داری وامانت داری کے ساتھ اسلامی سیاست کے ذریعے دینِ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت انجام دینے کی کوشش کرنی چاہیے، اور ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کی مخالفت یا اس کے خلاف محاذ بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تدریس

اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ ’’مدرسہ تعلیم الدین - ڈابھیل‘‘ کو محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور ان کے رفقاء کے ورودِ مسعود سے بڑی ترقی ملی تھی اور وہ کچھ ہی عرصے کے اندر ’’جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین‘‘ کے نام سے مشہور ومعروف ہونے لگا تھا، لیکن ۱۳۵۲ھ کو حضرت شاہ صاحبؒ کا انتقال ہوا اور ۱۳۵۴ھ کو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ’’دار العلوم دیوبند‘‘ کے اربابِ انتظام کی دعوت پر واپس دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، جس کی وجہ سے ’’جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین‘‘ میں بڑا خلا پیدا ہوگیا، اس خلا کو پُر کرنے کے لیے اربابِ انتظام کی نظر مذکورہ دونوں حضرات کے ہونہار شاگرد اور ’’جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین‘‘ کے مایۂ ناز فاضل حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ پر پڑی اور ان کو جامعہ میں تدریسِ حدیث کا فریضہ انجام دینے اور مجلسِ علمی کے رکن کی حیثیت سے تحقیقی کام کرنے

کی دعوت دی۔ حضرت بنوریؒ نے اپنی مادرِعلمی کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہوئے دعوت قبول کرلی اور پشاور سے ڈابھیل منتقل ہوگئے۔

''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' میں حضرت علامہ بنوریؒ کو تدریس کے ساتھ ساتھ ''**العَرفُ الشذيّ شرح سنن الترمذيّ**'' کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی سپرد کیا گیا، اس کے بعد مجلسِ علمی نے آپ کو حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوریؒ (داماد حضرت علامہ کشمیریؒ) کی معیت میں ''**فيض الباري شرح صحيح البخاري**'' اور ''**نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية**'' کی طباعت کے لیے مصر بھیجا۔ حضرت علامہ بنوریؒ نے جہاں ان دونوں کتابوں کی نہایت عمدہ طباعت کروائی، وہاں دوسرا بڑا کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ علمائے ازہر اور مصر کے دیگر علماء کے سامنے اپنی فصیح و بلیغ عربی زبان اور علمی انداز میں علماء دیوبند اور بالخصوص شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، محدّث العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہ کا تعارف کرایا اور ان کے علمی، تحقیقی، تصنیفی، ملی اور اصلاحی کارناموں سے انہیں آگاہ کردیا جو علماء ہند اور علمائے مصر کے درمیان نقطۂ اتصال واقع ہوا۔

اسی سفر میں مشہور و معروف حنفی عالم حضرت علامہ محمد زاہد کوثریؒ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا اور ان سے اجازتِ حدیث لی اور ان کے سامنے علمائے دیوبند کا تعارف پیش کیا، جس سے حضرت علامہ کوثریؒ بہت متاثر ہوئے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (جو اس وقت بقیدِ حیات تھے) کی خدمت میں اجازتِ حدیث کے لیے عریضہ لکھا اور حضرت تھانویؒ نے انہیں اجازتِ حدیث مرحمت فرمائی۔

مصر سے واپسی پر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کو ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' کے اربابِ انتظام نے اپنے استاذ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور دوسرے استاذ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا صحیح جانشین اور ان کے علوم کا وارث و امین سمجھ کر شیخ الحدیث وصدر المدرسین کے اعلیٰ علمی منصب پر فائز فرمادیا۔ اس دوران ''دارالعلوم دیوبند'' کی طرف سے بھی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کی طرف ے درجہ علیا کی مدرسی کی پیش کش کی گئی، لیکن انہوں نے معذرت کرتے ہوئے ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' میں حدیث کی خدمت جاری رکھنے کو ترجیح دی۔

ملک کی تقسیم کے بعد پاکستان تشریف آوری

حضرت بنوریؒ ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین - ڈابھیل'' میں حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت

علامہ عثمانیؒ کے جانشین کے طور پر شیخ الحدیث وصدر المدرسین کی حیثیت سے خدمتِ حدیث میں مصروفِ عمل تھے کہ ملک تقسیم ہوگیا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا ایک مستقل ملک پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ اس کے بعد یہ مشکل صورتِ حال پیدا ہوگئی کہ جس خطہ میں پاکستان بنا تھا' وہاں دینی مدارس نہ ہونے کے برابر تھے اور جہاں جہاں مشہور ومعروف دینی مراکز تھے، جیسے دارالعلوم دیوبند، مظاہرعلوم سہارنپور وغیرہ' وہ خطے ہندوستان کے حصے میں آئے تھے، جہاں پاکستانی طلبہ کے لیے راستے مسدود ہوگئے تھے۔

اُدھر حضرت علامہ بنوریؒ کے استاذ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ کے ایک اور خصوصی شاگرد حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ جو حضرت علامہ بنوریؒ کے مخلص دوستوں میں سے تھے' یہ دونوں حضرات پاکستان منتقل ہوگئے تھے۔ مذکورہ بالا دونوں حضرات اور چند دیگر علماء نے اصرار کے ساتھ حضرت علامہ بنوریؒ کو پاکستان منتقل ہونے کی دعوت دی، اس لیے کہ اس نومولود اسلامی ملک میں دینی تعلیم وتربیت کے لیے ان جیسے اہلِ علم واصحابِ تقویٰ حضرات کی سخت ضرورت تھی۔ حضرت علامہ بنوریؒ نے ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء کو پاکستان ہجرت فرمائی اور ان ہی حضرات کے مشورے سے ''دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار''، ضلع حیدرآباد سندھ سے بحیثیت شیخ التفسیر وابستہ ہوگئے، جہاں تین سال تک تشنگانِ علم تفسیر وحدیث کو سیراب فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ کے توکل وبھروسے پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس

''دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار'' میں حضرت علامہ بنوریؒ نے تین سال تک کام کیا، لیکن وہاں کے ماحول سے آپ مطمئن نہ ہوسکے اور ۱۳۷۳ھ کو سفرِ حج پر روانہ ہوئے، مکہ مکرمہ میں بیس دن اور مدینہ منورہ بتیس دن قیام فرمایا، اس دوران قبولیتِ دعا کے خصوصی مقامات ومبارک گھڑیوں میں دینی خدمت کے لیے اپنے مستقبل کے مناسب لائحۂ عمل کے حق میں دعائیں بھی کیں اور استخارے بھی فرمائے، جن کے بعد ''دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار'' سے مستعفی ہونے اور اللہ کے توکل وبھروسے پر ایک نئے مدرسے کی بنیاد ڈالنے کا ارادہ پختہ ہوگیا اور واپسی پر مدرسہ ٹنڈو الہ یار کو اپنا استعفاء پیش کیا اور ایک مستقل مدرسہ بنانے کا ارادہ فرمایا۔

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے پاس مستقل نئے مدرسے کے لیے نہ تو جگہ تھی اور نہ ہی وسائل! اس لیے تقریباً ایک سال اس شش وپنج میں گزرا کہ نیا مدرسہ کہاں پر اور کس طرح قائم کیا جائے؟ اسی اثناء میں ایک صاحبِ ثروت مخلص شخص حاجی یوسف سیٹھی صاحب جنہوں نے اپنی دولت قرآن کریم اور دینی تعلیم عام کرنے کے لیے وقف کی تھی، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریباً

پچاس ہزار روپے کی رقم (جو اس زمانے میں ایک خطیر رقم سمجھی جاتی تھی) اس مقصد کے لیے پیش کی کہ آپ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ دونوں مل کر نیا ادارہ قائم فرمائیں اور یہ رقم آپ دونوں حضرات کے ذاتی مصارف کے لیے پانچ سال تک کافی ہوگی۔ آپ حضرات کام شروع کریں اور معاش کی طرف سے بے فکر رہیں۔ لیکن حضرت بنوریؒ نے اسے توکل علی اللہ اور اخلاص کے منافی سمجھتے ہوئے یہ کہہ کر قبول کرنے سے معذرت کردی کہ مدرسہ کی بنیاد رکھنے سے پہلے میں کسی کی معاونت قبول نہیں کرسکتا، ہاں مدرسہ کے افتتاح کے بعد جو معاونت ہوگی، شکریہ کے ساتھ قبول کی جائے گی۔ حاجی یوسف سیٹھی صاحب نے کافی اصرار بھی کیا، لیکن حضرت بنوریؒ نے پھر بھی ان کی امداد قبول نہیں فرمائی۔

بہرصورت! حضرت علامہ بنوریؒ نے دعاؤں اور استخاروں کے بعد یہ تو طے کر ہی لیا تھا کہ کوئی مستقل دینی ادارہ بنایا جائے، البتہ اس اہم کام کے لیے کوئی مناسب مقام دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے وہ کافی فکرمند تھے! اسی دوران انہوں نے ایک دفعہ دیکھا کہ محلّہ نیوٹاؤن میں ایک وسیع مسجد زیرِ تعمیر ہے اور مسجد کے ساتھ ہی زمین کا ایک خالی ٹکڑا بھی موجود ہے، جس پر منتظمینِ مسجد مستقبل میں مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، اس وسیع زیرِتعمیر مسجد کے ساتھ ملحقہ زمین کا خالی ٹکڑا حضرت علامہ بنوریؒ کو پسند آیا اور مدرسہ بنانے کے لیے اسے موزوں سمجھا، چنانچہ انہوں نے منتظمین حضرات کو یہ پیش کش کی کہ جس ٹکڑے پر آپ حضرات مستقبل میں مدرسہ بنانا چاہتے ہیں وہ میرے حوالے کردیں، تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس پر ابھی سے مدرسہ بنانے کی کوشش کروں، اور ساتھ ساتھ صاف الفاظ میں یہ فرمایا کہ: میں آپ حضرات سے زمین کی حوالگی کے علاوہ مزید کسی قسم کے تعاون کا خواہاں نہیں ہوں گا۔

منتظمینِ مسجد چونکہ مخلص قسم کے تاجر پیشہ حضرات تھے اور مدرسہ بنانے اور اس سے متعلقہ امور کا تجربہ نہیں رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے حضرت علامہ بنوریؒ کی مذکورہ پیش کش کو نصرتِ خداوندی سمجھ کر بخوشی قبول کیا اور زمین کا مذکورہ ٹکڑا اور مدرسہ کا انتظام وانصرام متفقہ طور پر ان کے سپرد کردیا۔

اس کے بعد حضرت علامہ بنوریؒ اپنے مخلص ودیرینہ رفیق حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ اور درجۂ تکمیل کے دس طلبہ کے ساتھ جامع مسجد نیوٹاؤن منتقل ہوگئے۔ مسجد چونکہ ابھی زیرِتعمیر تھی، اس لیے وہ صرف چھت اور دیواروں پر مشتمل ایک ڈھانچے کی شکل میں تھی، اس کے ساتھ غسل خانے اور بیت الخلاء کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ ہی اس کے دروازوں میں کواڑ تھے۔ وضو کرنے کے لیے عارضی طور پر چند ٹوٹیاں لگی ہوئی تھیں، مسجد کے احاطہ میں ٹین کی چھت کا صرف ایک حجرہ تھا، جس میں حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ نے اپنا مختصر سامان رکھ دیا۔ رفعِ حاجت اور رات کو آرام کرنے کے لیے دونوں حضرات کو مسجد سے چند فرلانگ کے فاصلے پر واقع ان کے ایک

مخلص دوست حاجی محمد یعقوب صاحب کے مکان پر جانا پڑتا تھا۔

طلبہ نے اپنا مختصر اور ضروری سامان مسجد میں رکھ دیا اور سرِ دست مسجد ہی میں حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ پر مشتمل دو اساتذۂ کرام اور ان کے دس طلبہ سے تدریس کا آغاز ہوا۔ طلبہ دن میں مسجد کے اندر پڑھتے اور مطالعہ کرتے اور رات کو مسجد ہی میں آرام کرتے اور رفعِ حاجات کے لیے مسجد سے کافی دور جانا پڑتا۔ طلبہ کے خورد ونوش کا چونکہ کوئی انتظام نہیں تھا، اس لیے حضرت علامہ بنوریؒ نے تین سو روپے کسی سے قرض لے کر تیس روپے فی کس ماہانہ وظیفہ کے طور پر طلبہ میں تقسیم کردیئے، اور دونوں اساتذۂ کرام نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے بغیر کسی معاوضہ کے پڑھانا شروع فرمایا۔

مسجد کے دروازوں میں چونکہ کواڑ نہیں تھے، اس لیے چند دفعہ طلبہ کا سامان چوری ہوگیا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر حضرت بنوریؒ نے پھر کسی سے قرض لے کر ایک کمرہ طلبہ کے لیے بنوایا۔ حضرت بنوریؒ اپنے اہل وعیال کے ضروری اخراجات کے لیے جو کراچی میں رہائش میسر نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک ٹنڈو الہ یار میں تھے، کسی سے قرض لے کر اور کچھ اپنی ذاتی نایاب کتابیں فروخت کر کے انتظام فرما رہے تھے، انہوں نے یہ طے کردیا تھا کہ مدرسے کا نظام چلانے کے لیے کسی سے چندہ کی اپیل نہیں کی جائے گی، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ نے خود کسی کے دل میں یہ ڈالا کہ مدرسہ کے ساتھ تعاون کیا جائے تو اس کے تعاون کو باعثِ برکت سمجھ کر قبول کیا جائے گا۔ اس بے سروسامانی کی حالت میں محض اللہ تعالیٰ کے توکل واعتماد پر ماہِ محرم ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں اس مدرسے کا آغاز ہوا، جو وقت گزرنے کے ساتھ ''دارالعلوم دیوبند'' کے بعد برِصغیر کے سب سے مشہور ومعروف دینی اداروں میں شمار ہونے لگا۔

واضح رہے کہ حضرت علامہ بنوریؒ نے اس مدرسے کے آغاز میں جس محنت وقربانی سے کام لیا ہے اور جو قسم قسم کی مشقتیں برداشت فرمائی ہیں، یہ ان کی جوانی کا زمانہ نہیں تھا، جس میں انسان کو محنت کرنے اور بھاگ دوڑ سے کام لینے میں زیادہ دشواری محسوس نہیں ہوتی، بلکہ انہوں نے یہ مشقتیں اپنی زندگی کے اس حصے میں برداشت کی ہیں، جس وقت ان کی عمر تقریباً اڑتالیس سال کی ہوچکی تھی، اور اس سے پہلے وہ ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین- ڈابھیل'' میں شیخ الحدیث وصدر المدرسین کی حیثیت سے اور ''دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار'' میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے دینی خدمت انجام دے چکے تھے۔ شاید اسی بے مثال قربانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے قائم کردہ ادارے کو بہت ہی کم عرصے میں اتنی ترقی دی، جس کی مثال بہت کم مل سکتی ہے۔ (جاری ہے)

وجودِ باری تعالیٰ اور توحید کا اثبات واقعاتی دلائل سے

مولانا عبدالصمد
محراب پور، سندھ

عقیدۂ توحید کی اہمیت اور ضرورت کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''عقیدۂ توحید جو اسلام کا سب سے پہلا بنیادی عقیدہ ہے، یہ صرف ایک نظریہ نہیں، بلکہ انسان کو صحیح معنی میں انسان بنانے کا واحد ذریعہ ہے جو انسان کی تمام مشکلات کا حل اور ہر حالت میں اس کی پناہ گاہ، اور ہر غم وفکر میں اس کا غمگسار ہے، کیونکہ عقیدۂ توحید کا حاصل یہ ہے کہ: عناصر کے کون وفساد اور ان کے سارے تغیرات صرف ایک ہستی کی حیثیت کے تابع اور اس کی حکمت کے مظاہر ہیں:

ہر تغیر ہے غیب کی آواز ہر تجدُّد میں ہیں ہزاروں راز

اس عقیدہ کا مالک ساری دنیا سے بے نیاز، ہر خوف وخطر سے بالاتر ہوکر زندگی گزارتا ہے۔'' (معارف القرآن، ص:۱۳۹)

ہمارے اکابر اور اسلاف نے ہر دور میں مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات کو مدِنظر رکھتے ہوئے سمجھانے کی پوری پوری کوشش فرمائی ہے۔ جب بھی اسلاف سے توحید کے متعلق سوالات کیے گئے تو اللہ تبارک نے مخالفین کے حالات کے اعتبار سے ان کے دل میں ایسی مثالیں ڈالیں جو بیان کرنے کے بعد بہت ہی مؤثر ثابت ہوئیں اور ہدایت کا ذریعہ بنیں۔ اس طرح کے واقعات تو بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم یہاں چند نمونے کے طور پر ذکر کر رہے ہیں، جن میں ابھی تک افادیت اور تاثیر کی خوشبو مہک رہی ہے:

۱:- امام اعظم ابوحنیفہؒ ایک دن اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے، دہریوں کے خلاف آپ ننگی تلوار تھے، ادھر یہ لوگ آپ کو فرصت کا موقع پاکر قتل کرنے کے درپے رہتے تھے۔ ایک دن دہریہ لوگ تلواریں تان کر جماعت کی شکل میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس آدھمکے اور وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں

سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ: میں اس وقت ایک بڑی سوچ میں ہوں، لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کا تجارتی سامان ہے، مگر نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے، مگر اس کے باوجود برابر آ جا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی، پھاڑتی گزر جاتی ہے، رُکنے کی جگہ پر رُک جاتی ہے اور چلنے کی جگہ پر چلنے لگتی ہے، نہ کوئی ملاح ہے، نہ منتظم۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا کہ: آپ کس سوچ میں پڑ گئے؟ کوئی عقلمند انسان ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی نظام کے ساتھ طوفانی سمندر میں آئے جائے، اور کوئی اس کا نگران اور چلانے والا نہ ہو؟! حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ: افسوس تمہاری عقلوں پر کہ ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے، لیکن یہ ساری دنیا آسمان وزمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے اپنے کام پر لگی رہیں اور اس کا مالک حاکم اور خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لاجواب ہو گئے اور حق معلوم کر کے اسلام لائے۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱،ص:۳۳۳۔تفسیر ابن کثیر، ج:۱،ص:۵۹۔الخیرات الحسان،ص:۷۹)

۲:- امام مالکؒ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ: اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا: زبانوں کا مختلف ہونا، آوازوں کا جدا ہونا، لب ولہجہ کا الگ ہونا، ثابت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہے۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱،ص:۳۳۴۔ابن کثیر، ج:۱،ص:۵۸)

۳:- امام شافعیؒ سے وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ تو آپ نے جواب دیا کہ: شہتوت درخت کے سب پتے ایک ہی جیسے ہیں، ایک ہی ذائقہ کے ہوتے ہیں، کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائے، بکریاں اور ہرن وغیرہ سب اس کو چاٹتے ہیں، کھاتے ہیں، چگتے ہیں، چرتے ہیں، اسی کو کھا کر کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے، شہد کی مکھی شہد دیتی ہے، ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے، گائے، بکریاں اسے کھا کر مینگنیاں دیتی ہیں، کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک ہی پتے میں مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تبارک تعالیٰ کہتے ہیں، وہ ہی موجد اور صانع ہے۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱،ص:۳۳۳۔ابن کثیر، ج:۱،ص:۵۷)

۴:- امام احمد بن حنبلؒ سے ایک بار وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: سنو، یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے، جس میں کوئی دروازہ نہیں، نہ کوئی راستہ ہے، بلکہ سوراخ تک نہیں، باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اور اوپر نیچے دائیں بائیں چاروں طرف سے بالکل بند ہے۔ ہوا تک اس میں نہیں جا سکتی ہے، اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں والا، کانوں والا بولتا چلتا، خوبصورت شکل والا، پیاری بولی والا، چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ بتاؤ! اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟

اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالا تر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو جو ہر طرف سے بند ہے، پھر اس کی سفید زردی سے پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے، یہ ہی دلیل ہے خدا کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱،ص:۳۳۴۔ ابن کثیر، ج:۱،ص:۵۹)

۵:- عالمِ اسلام اور اہلِ بیتؓ کی مشہور شخصیت حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک زندیق ملحد آیا اور صانع وخالق کا انکار کرنے لگا۔ امام نے اس کو سمجھانے کی غرض سے سوال کیا کہ: تم نے کبھی سمندر کا سفر کشتی پر کیا ہے؟ اس نے جواباً کہا: جی ہاں، پھر امام نے پوچھا کہ: کیا تو نے سمندر کے خوفناک حالات کا بھی کبھی مشاہدہ کیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر امام نے فرمایا: کیسے؟ ذرا تفصیل تو بتائیں؟ اس شخص نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ: ایک دن سمندری سفر کے دوران سخت خوف زدہ طوفانی ہوا چل پڑی، جس کے نتیجہ میں کشتی بھی ٹوٹ گئی اور ملاح بھی ڈوب کر مر گئے۔ میں نے ٹوٹی ہوئی کشتی میں سے ایک تختہ کو پکڑا، لیکن بالآخر سمندری موجوں کی وجہ سے وہ تختہ بھی مجھ سے چھوٹ گیا، بالآخر سمندری موجوں نے مجھے کنارے تک پہنچا دیا۔ یہ سن کر حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: پہلے تو سمندری سفر کے دوران سمندری پانی سے گزرنے کے لیے کشتی پر اعتماد کر کے سوار ہوا اور ساتھ ساتھ ملاحوں پر بھی اعتماد کیا، لیکن جب یہ دونوں ختم ہو گئے تو کشتی کے ایک تختہ پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو بچانے کے لیے تو نے اس پر اعتماد کیا، یہ جب سارے سہارے ختم ہوئے تو تو نے اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے تیار کر لیا۔ اس پر حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: کیا تو نے اس کے بعد سلامتی کی تمنا کی؟ کہا کہ: جی ہاں، حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس دردناک حالت میں سلامتی کی امید کس سے رکھی؟ وہ شخص خاموش ہو گیا۔ اس پر حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس خوفناک حالت میں تو نے جس سے سلامتی کی اُمید رکھی، یہ ہی تو صانع وخالق ہے، جس نے تجھے غرق ہونے سے بچایا۔ یہ سن کر وہ آپؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ واہ کیا ہی سمجھانے کا انداز ہے۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱،ص:۳۳۳)

۶:- امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ایک بار وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ: تم نے یہ نہیں دیکھا کہ والدین کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ لڑکا پیدا ہو، لیکن اس کے برعکس لڑکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات والدین کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ لڑکی پیدا ہو، لیکن اس کے برعکس لڑکا پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ایسی ذات ہے جو والدین کی خواہش کی تکمیل میں مانع ہے اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ یہ وہی ذات ہے جس کو ہم اللہ تبارک تعالیٰ کہتے ہیں۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱،ص:۳۳۳)

۷:- شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: جس دہریہ سے چاہیں پوچھ دیکھئے کہ تمہاری کتنی عمر ہے؟ وہ ضرور بیس، تیس، چالیس، پچاس کوئی عدد یقینی یا تخمینی بیان کرے گا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو موجود ہوئے اتنے برس ہوئے ہیں۔ اب اس سے پوچھئے کہ آیا آپ

خود بخود پیدا ہو گئے یا کسی نے تم کو پیدا کیا ہے؟ اور پھر وہ پیدا کرنے والا ممکن ہے یا واجب؟ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ خود بخود پیدا نہیں ہوا، ورنہ واجب الوجود ہو جاتا، اور ہمیشہ پایا جاتا اور پھر معدوم نہ ہوتا۔ جس کا وجود اپنا ہو، وہ ہمیشہ رہتا ہے۔ یہ بدیہی بات ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ممکن نہیں، ورنہ تسلسل لازم آئے گا، اور پھر اس ممکن کے پیدا کرنے والے اور پھر اس کے پیدا کرنے میں کلام کیا جائے اور یہ سلسلہ کسی واجب الوجود کی طرف منتہی مانا جائے گا، جس نے ہم کو اس خوبی اور محبوب کی شان میں پیدا کیا ہے، وہ رب ہے جس کا ہر زمان میں ایک جدا نام ہے اور جب وہ خالق ہے تو اس میں علم، قدرت، حیات، ارادہ وغیرہ عمدہ صفات بھی ہیں، خواہ وہ عین ذات ہو یا غیر، خواہ لاعین ولا غیر۔ (تفسیر حقانی، ج:۱،ص:۱۱۲)

۸:- کسی بدوی دیہاتی سے وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا کہ: ''یَا سُبْحَانَ اللّٰہِ اِنَّ الْبَعْرَۃَ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِیْرِ '' زمین پر پڑی ہوئی مینگنیاں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں سے اونٹ گزر گیا ہے۔ ''وَاِنَّ اَثَرَ الْأَقْدَامِ یَدُلُّ عَلَی الْمَسِیْرِ '' زمین پر پاؤں کے نشانات سے کسی آدمی کے گزرنے کا پتہ چلتا ہے۔ ''وَالرَّوْثُ عَلَی الْحَمِیْرِ '' لید سے گدھے کا پتہ چلتا ہے۔ ''فَسَمَاءٌ ذَاتِ الْأَبْرَاجِ وَأَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ وَبحَارٌ ذَاتُ الْأَمْوَاجِ، أَلاَ یَدُلُّ عَلٰی ذٰلِکَ؟'' تو کیا برجوں والا آسمان، اور راستوں والی زمین، اور موج مارنے والے سمندر، اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبردار کے وجود پر اور توحید پر دلیل نہیں بن سکتے؟۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱،ص:۳۳۴۔ تفسیر ابن کثیر، ج:۱،ص:۵۹)

۹:- ایک حکیم سے وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ تو فرمایا کہ: ''ہڑ اگر خشک استعمال کی جائے تو اسہال کر دیتی ہے اور اگر ترگیلی نرم کھائی جائے تو اسہال کو روک دیتی ہے۔'' (التفسیر الکبیر، ج:۱،ص:۳۳۴)

۱۰:- ایک حکیم سے سوال کیا گیا کہ آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ تو فرمایا کہ: شہد کی مکھی کے ذریعہ، وہ اس طرح کہ شہد کی مکھی کی دو طرف ہوتی ہیں: ان میں سے ایک طرف سے تو شہد دیتی ہے اور دوسری طرف سے ڈنگ مارتی ہے اور یہ شہد حقیقت میں اس ڈنگ کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے: ''عرفته بنحلة بأحد طرفيها تعسل والآخر تلسع والعسل مقلوب اللسع.'' (التفسیر الکبیر، ج:۱،ص:۳۳۴)

۱۱:- ابن المعتز کا قول ہے کہ افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی ذات کے جھٹلانے پر لوگ کیسی دلیری کر جاتے ہیں، حالانکہ ہر چیز اس پروردگار کی ہستی اور وحدہٗ لاشریک ہونے پر گواہ ہے:

فيا عجباً كيف يعص الإلٰه   أم كيف يجحده الجاحد

و في كل شيء لهٗ آية   تدل على أنه واحد

(تفسیر ابن کثیر، ج:۷،ص:۵۹)

خواتین کے لیے چند احکام وآداب

مولانا مبین الرحمٰن
سلطان آباد، نیو حاجی کیمپ، کراچی

اپنی حیا اور عِفّت کی حفاظت پر عظیم انعام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب عورت پنج وقتہ نماز ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی حیا اور عِفّت کی حفاظت کرے اور (جائز کاموں میں) اپنے شوہر کی اطاعت کرے؛ تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

''إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا، وَصَامَتْ شَهْرَهَا، وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا، وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا: دَخَلَتْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ.'' (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث:۴۱۶۳)

پردہ عورت کے لیے انعامِ خداوندی

اللہ تعالیٰ نے عورت کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے جو کہ عورت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے، اسی پردے میں عورت کی عزت ہے، یہی عورت کی حیا کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو عورت پردہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت کی بے شمار نعمتیں عطا کرتا ہے، جن میں سے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ ایسی عورت سے راضی ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان عورت کے لیے اس سے بڑھ کر نعمت اور خوشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے۔

عورت سراپا پردہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ.'' (سنن الترمذی، رقم الحدیث:۱۱۷۳)

ترجمہ: ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت سراپا پردہ ہے، جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔''

یعنی شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات پر اُبھارے کہ وہ اس عورت کو دیکھ کر بدنظری اور دیگر گناہوں میں مبتلا ہوں۔

عورت کے لیے افضل جگہ

اللہ تعالیٰ کو عورت کا پردے میں رہنا اتنا پسند ہے کہ عورت جتنا پردے میں رہتی ہے اور جتنا زیادہ اپنے آپ کو نامحرم مردوں سے چھپاتی ہے تو اتنا ہی اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے، حتیٰ کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت تو پردے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف جھانکتا ہے۔ اور عورت اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے، جب وہ اپنے گھر کے کسی کونے اور پوشیدہ جگہ میں ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ، وَأَقْرَبُ مَا تَكُوْنُ مِنْ رَبِّهَا إِذَا هِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا.‘‘ (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۵۵۹۹)

عورت کے لیے نماز پڑھنے کی افضل جگہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت کے لیے صحن میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل یہ ہے کہ وہ کمرے میں نماز پڑھے، اور کمرے میں بھی زیادہ افضل یہ ہے کہ وہ کسی کونے (اور پوشیدہ جگہ) میں نماز ادا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’صَلاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِيْ مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ بَيْتِهَا.‘‘ (سنن ابی داود، رقم الحدیث: ۵۷۰)

سبحان اللہ! نماز جیسی اہم عبادت میں بھی پردے کا خوب اہتمام کرنے کی فضیلت اس حدیث مبارک سے واضح ہو جاتی ہے۔

مرد اور عورت کی نماز میں فرق کی وجہ

شریعت نے عورت اور مرد کے مابین نماز کے معاملے میں بھی واضح فرق رکھا ہے، جس کی وجہ سے متعدد مقامات میں عورت کی نماز مرد کی نماز سے مختلف ہے۔ مرد اور عورت کی نماز میں فرق کی وجہ بھی یہی ہے کہ عورت نام ہی حیا اور پردے کا ہے، اس لیے عورت کے لیے نماز میں وہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو عورت کے لیے زیادہ ستر اور پردے کا باعث ہو، جیسا کہ امام محدث بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’وَجُمَاعُ مَا يُفَارِقُ الْمَرْأَةَ فِيْهِ الرَّجُلُ مِنْ أَحْكَامِ الصَّلَاةِ رَاجِعٌ إِلَى السَّتْرِ، وَهُوَ أَنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ بِكُلِّ مَا كَانَ أَسْتَرَ لَهَا.‘‘ (السنن الکبریٰ للبیہقی، باب ما یستحب للمرأۃ من ترک التجافی فی الرکوع والسجود)

ترجمہ: ''مرد اور عورت کی نماز میں باہمی فرق کے تمام تر مسائل کی بنیاد ستر اور پردہ ہے، چنانچہ عورت کو نماز میں اسی طریقے کا حکم دیا گیا ہے جو عورت کے لیے زیادہ ستر اور پردے کا باعث ہو۔''

دنیا میں نازیبا لباس پہننے پر شدید وعید

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دو جہنمی گروہ ایسے ہیں جن کو میں نے اب تک نہیں دیکھا: ایک تو وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دُم کی طرح کوڑے ہوں گے جن کے ذریعے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ دوسری وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، (نامحرم مردوں کو) اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور خود بھی (اُن کی طرف) مائل ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کے جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح ہوں گے، ایسی عورتیں جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو سونگھیں گی، حالاں کہ جنت کی خوشبو تو اتنی اتنی دور سے سونگھی جاتی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

''صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا: قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا ....'' (صحیح مسلم، رقم الحدیث:۵۷۰۴)

لباس پہننے کے باوجود ننگی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو لباس اس قدر چھوٹا ہوگا کہ اس میں ستر نہ چھپ سکے گا، یا اس قدر چست ہوگا کہ جس سے جسم کی ہیئت ظاہر ہوگی، یا اس قدر باریک ہوگا کہ جس سے جسم نمایاں ہوتا ہوگا۔

مردوں کی مشابہت اختیار کرنے پر لعنت کی وعید

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مرد جیسا لباس پہنتی ہے، حدیث شریف میں ہے:

''لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ.'' (سنن ابی داود، رقم الحدیث:۴۱۰۰)

عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں شرعی احکام کی پاسداری

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ پردہ عورت کے لیے نہایت ہی اہم ہے اور اس کے لیے گھر میں رہنا ہی اصل حکم ہے، اسی میں اللہ کی رضا ہے۔ البتہ شریعت نے شدید مجبوری میں عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے، لیکن یہ اجازت بھی چند شرائط کے ساتھ ہے۔ ان شرائط کی رعایت کرتے ہوئے عوت باہر نکل سکتی ہے۔ ذیل میں عورت کے لیے راہ چلنے کے آداب واحکام بیان کیے جاتے ہیں:

خواتین کے لیے راہ چلنے کے آداب واحکام

راہ چلتے ہوئے نظر کی حفاظت

راہ چلتے ہوئے جس طرح مرد حضرات کے لیے غیرمحرم عورتوں سے نگاہ کی حفاظت ضروری ہے، اسی طرح یہ حکم عورتوں کے لیے بھی ہے، کیوں کہ بدنگاہی سنگین گناہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کو بھی نگاہوں کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے:

''وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ.'' (سورۃ النور:۱۳)

ترجمہ:''اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔''

نظروں کی حفاظت راستے کے حقوق میں سے ہے

راستہ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ غیرمحرم سے نظروں کی حفاظت کی جائے۔ یہ حکم جس طرح مردوں کے لیے ہے، اسی طرح خواتین کے لیے بھی ہے کہ وہ راہ چلتے ہوئے غیر مردوں سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

''...فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهُ، قَالُوْا: وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذٰى....'' (صحیح مسلم، رقم الحدیث:۵۶۸۵)

خوشبو لگا کر نامحرم مردوں کے پاس سے گزرنے پر وعید

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہر (بدنظری کرنے والی) آنکھ زناکار ہے، اور جب کوئی عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے تو ایسی عورت زناکار ہے، جیسا کہ سنن الترمذی میں ہے:

''عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ، وَالْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِيْ زَانِيَةً.'' (سنن الترمذی، رقم الحدیث:۲۷۸۶)

خواتین کے لیے راستے کی کسی ایک جانب چلنے کا حکم

خواتین کے لیے راستے کے درمیان میں چلنے کی اجازت نہیں، بلکہ احادیث کی رو سے ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ راستے کے دائیں یا بائیں کسی ایک جانب ہو کر چلیں، اس طرح کسی ایک طرف چلنے کے متعدد فوائد ہیں کہ اس سے راستے کے درمیان والا حصہ مردوں کے لیے خاص ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط بھی نہیں ہوتا، آمنا سامنا بھی نہیں ہوتا، شعب الایمان میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

’’لَیْسَ لِلنِّسَاءِ سَرَاۃُ الطَّرِیْقِ یَعْنِيْ وَسَطَ الطَّرِیْقِ.‘‘ (شعب الایمان، رقم الحدیث:۷۴۳۶)

ترجمہ: ’’عورتوں کے لیے راستے کے درمیان میں چلنے کا حق نہیں۔‘‘

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے باہر کھڑے تھے کہ راستے میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا کہ: پیچھے ہٹو، تمھیں راستے کے درمیان میں چلنے کا حق نہیں، بلکہ تم پر لازم ہے کہ راستے کے ایک طرف ہوکر چلو۔ چنانچہ اس ارشاد کے نتیجے میں عورت راستے کے ایک طرف اس قدر دیوار سے لگ کر چلتی کہ دیوار میں اس کے کپڑے وغیرہ اَٹک جاتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مردوں اور عورتوں کا باہمی اختلاط اور رش کا ہونا ممنوع ہے، اس لیے عورتوں کو راستے میں اس طرح چلنا چاہیے کہ ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط نہ آئے۔

راہ چلتے ہوئے خاموشی اختیار کریں

ایک باحیا مسلمان خاتون کی حیا کا تقاضا یہ ہے کہ وہ راہ چلتے ہوئے خاموش رہے، تاکہ ان کی باتوں کی وجہ سے مرد اُن کی طرف متوجہ نہ ہوں اور یہ مردوں کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے۔ آج کل نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے مسلمان خواتین راہ چلتے ہوئے باتیں کیے جاتی ہیں، گپ شپ لگاتی ہیں، یقیناً ان بے حیائی کی حرکتوں کی وجہ سے متعدد فتنے وجود میں آئے ہیں۔ کیا ان مسلمان خواتین سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ وہ یہ باتیں گھر جاکر کرلیا کریں؟

ان تمام احادیثِ مبارکہ اور تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہے کہ اللہ کے نزدیک عورت کے لیے پردہ کرنا کس قدر پسندیدہ اور اہم ہے۔ اس لیے تقاضا یہ ہے کہ جب عورت کسی ضرورت کے لیے گھر سے نکلے تو اس کو چاہیے کہ ایک تو مکمل پردے کے ساتھ باہر نکلے۔ دوسرا یہ کہ باہر نکلتے وقت ایسا برقع نہ پہنے‘ جس سے اس کا پردہ نہ ہوتا ہو، حیا کی حفاظت نہ ہوتی ہو، اور جو مردوں کو اپنی جانب متوجہ کرے، کیوں کہ جس طرح بے پردہ ہوکر نکلنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، اسی طرح فیشنی اور چست برقع پہن کر باہر نکلنا بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ افسوس کہ آج کل بہت سی خواتین زیب وزینت والے فیشنی اور چست برقعے پہنتی ہیں، جن سے پردے کا مقصد ہی حاصل نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی ہے، جو کہ ایک مسلمان عورت کی شان نہیں ہوسکتی۔ ان تمام آداب واحکام پر عمل کرنے کے نتیجے میں خواتین اپنی حیا اور عزت کی حفاظت بھی کرسکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل کرسکتی ہیں۔

.....❁.....❁.....❁.....

معاشرے کی اصلاح وبگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات

(پہلی قسط)

مولانا محمد طفیل کوہاٹی
مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ

اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے، اس نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہمہ پہلوؤں کے لیے زریں ہدایات پیش کی ہیں۔ دنیا میں انسان کے مالی حاصلات سے متعلق بھی اسلام نے مفصل ہدایات دی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے ''مال'' بطور وسیلہ وانعام عطا فرمایا ہے۔ قرآن مجید نے مال کی اس حیثیت کو ''جَعَلَ اللّٰـهُ لَكُمْ قِيَامًا'' سے تعبیر کر کے واضح کیا ہے کہ مال انسانی معاش اور عالم انسانی کے قیام کا ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کی طلب کو ''فريضة بعد الفريضة'' (فرائض کے بعد فریضہ) کہا گیا ہے اور اس کے لیے کی جانے والی سعی اور کوشش ''عبادت'' بتلائی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''نعما بالمال الصالح للرجل الصالح'' (مشکوۃ) یعنی ''نیک آدمی کے لیے اچھا اور پاکیزہ مال بہترین متاعِ حیات ہے۔'' اسی طرح نصوص (قرآن کی آیات اور احادیث) میں تجارت کے لیے ''فضل الله'' (اللہ کا فضل) خوراک کے لیے ''الطيبات من الرزق'' (کھانے کی پاکیزہ چیزیں)، لباس کے لیے ''زينة اللّٰـه'' (اللہ کی زینت)، رہائش کے لیے ''سكن'' (سکون کی جگہ) اور اموال کے لیے ''خير'' (بھلائی) جیسے احترامی القاب استعمال کیے گئے ہیں اور مال ودولت کی حفاظت کا بھرپور داعیہ بھی دلوں میں پیدا کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اگر مال کی حفاظت کے لیے جان کا قیمتی سرمایہ پیش کرنے کی نوبت بھی آجائے تو اسے نہ صرف گوارا کیا گیا ہے، بلکہ ایسے شخص کو شہادت کے اجر کی خوشخبری بھی سنائی گئی ہے۔ ان تمام ارشادات سے اسلام کی نظر میں مال کا تصور ایک محبوب ومطلوب چیز کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں اسلامی لٹریچر میں دنیا اور دنیاوی مال کے لیے ''متاع الغرور، فتنة'' اور ''لعب و لهو'' کے الفاظ بھی ملتے ہیں، نیز ڈھیروں روایات میں مال ودنیا کی مذمت اور اس کی محبت پر اُخروی عذاب کی وعیدیں آئی ہیں، جن سے مال کا ایک بھیانک تصور سامنے آتا ہے۔ کوتاہ نظری اس

موقع پر تضاد کا شبہ بھی پیدا کرسکتی ہے، لیکن بغور جائزہ لینے پر واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں تمام تر مالی وسائلِ معاش وانتظامِ عالم کے محض ذرائع اور انسانی راہ گزر کے مرحلے ہیں، اس کی اصل منزل درحقیقت ''مال و دولت'' سے آگے کردار کی بلندی اور اس کے نتیجے میں آخرت کی بہبود ہے، انسان کا اصل مسئلہ اور اس کی زندگی کا بنیادی مقصد انہی دو مقاصد کی تحصیل ہے، لیکن چونکہ ان منزلوں کو شاہراہِ دنیا سے گزرے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس لیے مال کا حصول بھی انسان کے لیے ضروری ہوجاتا ہے، لہٰذا جب تک مال انسان کی اصلی منزل کے لیے راہ گزر کا کام دے، تو وہ فضل اللّٰہ، خیر اور زینۃ اللّٰہ ہے، لیکن جہاں انسان اس راہ گزر کی بھول بھلیوں میں اُلجھ کر رہ جائے اور اس پر اپنی اصل منزلِ مقصود کو قربان کرڈالے یا بالفاظِ دیگر مال ہی منزلِ مقصود بنالے تو یہی مالی وسائل ''متاع الغرور، فتنۃ'' اور ''لعب و لهو'' بن جاتے ہیں۔

اسی تناظر میں انسان اور مال کا باہمی تعلق ''کسب'' بتلایا گیا ہے، یعنی انسان مال کا مالک نہیں، بلکہ محض ''کاسب'' (کمانے والا) ہے، جہاں کہیں اس کی ملکیت کا ذکر ہے وہ ملک حقیقی نہیں، بلکہ عطائی ہے اور انسان کے پاس بطور نائب اور خلیفہ مال میں وقتی اور عارضی تصرف کا اختیار ہے، جسے استعمال کرنے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو حدود و قیود کا پابند بنایا ہے۔ اس مختصر سے تجزیے سے اسلام کی نظر میں مال کی حیثیت پوری وضاحت سے سامنے آجاتی ہے کہ نہ تو مال شجرِ ممنوعہ ہے کہ اس کے ساتھ راہبانہ رویہ برتا جائے اور نہ ہی مقصدِ زندگی کہ اس کی پوجا پاٹ میں ساری قوتیں صرف کرلی جائیں، بلکہ یہ کارگاہِ حیات کی ایک ضرورت ہے، جس کے حصول وصرف میں خداوند کریم کے احکامات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

مال اور معاشرتی رویے

انسانی معاشرت میں مال کے ساتھ کیا رویہ برتا گیا ہے اور اس کے معاشرے کی اصلاح و بگاڑ پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں، ذیل میں انہی امور کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے۔ اسلام نے مال سے متعلق معاشرے میں اساسی طور پر تین رویوں کی نشاندہی کی ہے:

پہلے رویے کو قرآن مجید نے ''بخل و شُح'' سے تعبیر کیا ہے۔

دوسرے رویے کے لیے ''إسراف وتبذیر'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

جب کہ تیسرے رویے کو ''اقتصاد'' اور ''إنفاق'' کہا ہے۔

اسلام نے ان میں سے پہلے دو رویوں کو منفی قرار دے کر ان کی خوب مذمت کی ہے، اپنے پیروؤں کو ان سے بچنے کی تاکید کی ہے اور اس کے لیے ترغیب و ترہیب ہر دو پہلوؤں سے کام لیا ہے، جبکہ تیسرے رویے کو محمود و مطلوب بتلایا ہے اور اسے برتنے پر دنیا و آخرت کے انعامات کے وعدے کیے ہیں۔ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اسلام کی نظر میں معاشرے کے بگاڑ اور فساد کی بنیاد پہلے دو رویے

ہیں اور تیسرا رویہ ہی اس بگاڑ کی اصلاح کا کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے، لہٰذا ذیل میں ان رویوں کا مختصر جائزہ اور اقتصاد وانفاق کے ذریعے معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

بخل وشُح

اسلام نے مال کی محبتِ عقلی کو برائی کی جڑ قرار دیا ہے۔’’بخل وشح‘‘ کا رویہ حبِ مال کا مظہر ہے۔ بخل اپنے ذاتی سرمائے سے واجب اخراجات کو روکنے کا نام ہے۔ قرآن مجید نے تنبیہ کی ہے کہ مال بچانے کی یہ روش شر کا پیش خیمہ ہے، اسے جولوگ اپنی معاشی ترقی کا سبب تصور کرتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں اور اس راز سے بروز قیامت پردہ اُٹھ جائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

’’وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔‘‘ (آل عمران:۱۸۰)

ترجمہ:’’اور وہ لوگ جو اس چیز (کے خرچ کرنے) میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے انہیں دے رکھی ہے، وہ خیال نہ کریں کہ (یہ بخل) ان کے لیے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لیے بہت برا ہے، جس (مال) میں وہ (آج) کنجوسی کررہے ہیں یقیناً قیامت کے دن اسی کے طوق ان کے (گلوں میں) ڈالے جائیں گے۔‘‘

احادیث مبارکہ میں بخل کو کفار کا شیوہ، دین بیزاری، خبثِ باطن اور جہنم کے عذاب کا سبب قرار دیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رویّے سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

بخل سے قریب تر رویہ’’شُحّ‘‘ ہے۔’’شُحّ‘‘ اس باطنی بیماری کا نام ہے کہ انسان اپنے مالی وسائل سے کبھی سیر نہ ہو اور وہ اپنی پوری توانائی اس پر صرف کردے کہ کسی طرح دوسروں کے مالی وسائل اس کے قبضہ میں آجائیں۔ قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ حقیقی کامیابی سے وہی شخص ہمکنار ہو سکتا ہے جو’’شُحّ‘‘ کے رویے سے پوری طرح پاک ہو، لہٰذا جذبۂ’’شُحّ‘‘ سے مغلوب شخص اسلام کی نظر میں ہرگز کامیاب نہیں، کیونکہ’’شُحّ‘‘ وہ رویہ ہے جو انسان کو ہوسِ مال اور حرصِ اقتدار کی راہ سجھاتا ہے اور اسے ظلم وتعدی پر آمادہ کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

’’واتقوا الشُّحَّ فإن الشُّحَّ یھلک من کان قبلکم، حملھم علٰی أن سفکوا دمائھم واستحلوا محارمھم.‘‘ (مسلم)

ترجمہ:’’شُحّ‘‘ سے بچو، پس بے شک’’شُحّ‘‘ نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، انہیں خون بہانے اور عزتیں پامال کرنے پر برانگیختہ کیا۔‘‘

’’شُحّ‘‘ کے اس مختصر تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ آج ترقی یافتہ اور مہذب کہلانے والے

انسانی معاشروں میں اپنی دولت وثروت بڑھانے کے لیے جاری رسہ کشی اور مکروہ اقدامات کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما ہے، مثلاً:

۱:- ''شُــــحّ'' کی باطنی بیماری کے بسببِ تجارت کے نام پر سٹہ، لاٹری، قمار اور غرر کی گرم بازاری ہے اور اس عنوان سے بے تحاشا دولت لوٹی جارہی ہے۔

۲:- ''هـــل مـــن مـــزيـــد'' کے اس نظریے نے سود کی مختلف شکلوں کو رواج دے کر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلانیہ جنگ کے دروازے کھولے ہیں۔ سود کا ایک ذرہ کھانا اپنی ماں کے ساتھ چھتیس مرتبہ بدکاری سے بدتر بتلایا گیا، اور اس میں ملوث ہر فرد پر لعنت کی گئی ہے۔

۳:- زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی سوچ نے محض مالی نفع کے لیے نشہ آور، مضرِ صحت اور مخربِ اخلاق چیزوں کے وسیع پیمانے پر کاروبار، بلکہ مالی وسائل میں اضافے کے لیے عزت وآبرو تک کی سودے بازی کو جواز بخشا ہے۔ رویہ شح کے حاملین نے انسان کو تمام خدائی اور اخلاقی پابندیوں سے بغاوت پر آمادہ کرکے اسے یہ راستہ سجھایا ہے کہ وہ معاشرے کا ترقی یافتہ اور کامیاب فرد تبھی کہلا سکتا ہے، جب مالی وسائل میں اضافہ کرے، چاہے یہ سنیما کھول کر ممکن ہو، نیم برہنگی کے ساتھ فلمیں بنانے، طوائف بننے یا ہیروئن اور شراب کا کاروبار کرکے ممکن ہو، بس مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال بٹورا جائے۔

۴:- آج عالمی سطح پر احتکار وادخار (ذخیرہ اندوزی) کے ذریعے پیدا کردہ مصنوعی بحران بھی اس رویے کا نتیجہ ہیں۔ دنیا کی بڑی آبادی پانی کو ترس رہی ہے، لیکن منرل واٹر کی لاکھوں بوتلیں اس لیے سمندر برد ہورہی ہیں کہ ان کی مارکیٹ ویلیو میں کمی نہ آئے اور ان کی طلب، ہر حال میں رسد سے زیادہ رہے۔ بچے بنیادی خوراک اور دودھ کی کمی کے باعث مر رہے ہیں، جبکہ نیسلے کے خوراکی پیکٹس اور دودھ کے ڈبے سمندری آلودگی کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ یہ ''شُــــحّ'' کے رویے کے مظاہر ہیں جس نے انسان کو حیوانوں سے بدتر بنا دیا ہے۔

۵:- صحت وتعلیم جیسی بنیادی ضروریات کو بھی اس رویے کے حاملین نے نفع بخش صنعت کی شکل دے دی ہے اور ان پر مال بٹورنے کی روش اب کوئی عیب نہیں، بلکہ بہت بڑا کمال اور معاشرے پر احسان تصور ہوتا ہے۔

۶:- ان تمام مفاسد سے بڑھ کر کمزور اور ترقی پذیر ملکوں کے وسائل لوٹنے اور ہتھیانے کے لیے بدامنی کی خاکہ سازیاں، لوگوں کے معاشی استیصال پر مبنی نظاموں کی تشکیل، ان پر جنگوں کی تسلیط اور معاشی پابندیاں اسی رویے کے نمو اور ارتقا کے مظاہر ہیں، جن سے نطۂ ارضی کا امن وسکون تباہ اور انسانی معاشرہ اپنے بگاڑ کی انتہائی حدوں کو چھو رہا ہے۔ (جاری ہے)

مرابحہ مؤجّلہ

اِرتقائی، واقعاتی اور تجزیاتی مطالعہ (چوتھی قسط)

مولوی فضل الرحمٰن
متعلم تخصصِ فقہِ اسلامی، جامعہ

اب ذرا آج کے بینکوں کی دنیا میں آیئے! ہم بالفرض بلاشک وشبہ اور بلااعتراض تسلیم کرلیتے ہیں کہ مروّجہ مرابحہ مؤجلہ کا طریقۂ کار سود میں داخل نہیں ہوتا اور جائز ہے، لیکن اس جواز کو لامحدود زمانے تک فرضی طور پر درست قرار دینا ان الفاظ کے ساتھ:

> ''ہم شرکت ومضاربت پر ہمیشہ زور دیتے آئے ہیں، اور اب بھی زور دیتے ہیں، لیکن میں سالہا سال اور غیرسودی بینکاری کے نشیب وفراز دیکھتے رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر دنیا بھر کے بینک غیرسودی بینکوں میں تبدیل کردیئے جائیں اور فرض کریں کہ وہ اپنی سرمایہ کاری صرف مرابحہ اور اجارہ ہی کی بنیاد پر ان کی صحیح شرائط کے ساتھ کرتے رہیں، اور ان باتوں کی پابندی کریں جن کی پابندی آج بھی غیرسودی بینکوں پر شرعاً لازم ہے، تب بھی اگرچہ وہ اسلام کا اعلیٰ درجے کا مثالی نمونہ نہ ہو، پھر بھی دنیا بھر سے سرمایہ دارانہ نظام کی وہ بیشتر خرابیاں مٹ جائیں گی جنہوں نے آج پوری دنیا کو معاشی بحران کی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور ان شاء اللہ! ایک نیا نظام وجود میں آجائے گا جو شریعت کی برکتوں سے بڑی حد تک مالا مال ہوگا۔''(۱)

اس تفصیل کی روشنی میں نام نہاد اسلامی بینکوں کے موجودہ شرعی ذمہ داران سے یہ سوال ہے، جس ڈگر پر موجودہ بینک کاری ہورہی ہے، کیا اس سے سودخور ذہنیت کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی؟ کیا وہ طریقہ جو شرعاً درست ہونے کے باوجود تین وجوہ سے نظامِ بینکاری کی بنیاد نہیں بن سکتا تھا' اب اس طریقے پر نظامِ بینکاری کی بنیاد رکھیں تو کیا درست ہوجائے گا؟ ایسی کیا تبدیلی رونما ہوگئی کہ جس کی وجہ سے وہ طریقہ جو شرعاً درست ہونے کے باوجود اس وقت (۱۹۸۱ء) نظامِ بینکاری کی بنیاد کے طور پر

درست نہ تھا اور آج (۲۰۱۹ء) وہ طریقہ بینکاری کی بنیاد کے طور پر درست ہے؟!

یہ ایک طالب علمانہ اشکال ہے، یہ اعتراض ہر اس طالب کو پیش آرہا ہے جو بھی مذکورہ بالا اقتباسات کا بغور مطالعہ کرتا ہے یا کرے گا۔

اب آگے حضرت والا دامت برکاتہم نے جو تین وجوہ ذکر کیے ہیں، وہ ملاحظہ ہوں:

''۱:- اُدھار بیچنے کی صورت میں قیمت بڑھا دینا خود فقہائے کرام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، اگرچہ اکثر فقہاء اسے جائز کہتے ہیں، لیکن چوں کہ اس میں مدت بڑھنے کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی جاتی ہے، اور اس طرح اگرچہ یہ ٹھیٹھ معنی میں سود نہ ہو، لیکن اس میں سود کی مشابہت یا سود کی خود غرضانہ ذہنیت ضرور موجود ہے۔

اور ایسا معاملہ جس کے جواز میں فقہائے کرامؒ کا اختلاف ہو، اور جس میں سود کی کم از کم مشابہت تو پائی ہی جاتی ہو، اسے شدید ضرورت کے مواقع پر بدرجۂ مجبوری اختیار کر لینے کی تو گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن اس پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی بنیاد کھڑی کر دینا اور اسے سرمایہ کاری کا ایک عام معمول بنا لینا کسی طرح درست نہیں۔

۲:- بینک بنیادی طور پر کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مقصد تجارت، صنعت اور زراعت میں سرمائے کی فراہمی ہوتا ہے، اگر ایک تجارتی ادارہ جو تجارت ہی کی غرض سے وجود میں آیا ہو اور جس کے پاس سامانِ تجارت موجود رہتا ہو وہ ''بیع مؤجل'' کا مذکورہ طریقہ اختیار کرے تو اس کی نوعیت مختلف ہے، لیکن بینک جو نہ تجارتی ادارہ ہے اور نہ سامانِ تجارت اس کے پاس موجود رہتا ہے' وہ ''بیع مؤجل'' کا یہ طریقہ اختیار کرے تو ایک کاغذی کارروائی کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی، جس کا مقصد سود سے بچنے کے ایک حیلے کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس قسم کے حیلوں کی شدید ضرورت کے مواقع پر تو گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن سارا کاروبار ہی حیلہ سازی پر مبنی کر دینا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

۳:- جب ہم ''غیر سودی بینکاری'' کا نام لیتے ہیں اور بینکنگ کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے کی بات کرتے ہیں تو اس کا منشأ یہ نہیں ہوتا کہ چند حیلوں کے ذریعے ہم موجودہ طریقِ کار کو ذرا سا تبدیل کر کے سارا نظام جوں کا توں برقرار رکھیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرمایہ کاری کے پورے نظام کو تبدیل کر کے اسے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالیں، جس کے اثرات تقسیمِ دولت کے نظام پر بھی مرتب ہوں، اور سرمایہ کاری کا اسلامی تصور یہ ہے کہ جو شخص کسی کاروبار کو سرمایہ فراہم کر رہا ہے وہ یا تو نفع کا مطالبہ نہ کرے، یا اگر نفع کا مطالبہ کرتا ہے تو نقصان کے خطرے میں بھی شریک ہو، لہٰذا ''غیر سودی بینکاری'' میں بنیادی طور پر اس تصور کا تحفظ ضروری ہے۔ اب اگر بینک کا سارا نظام ''مارک

اپ‘‘ کی بنیاد پر استوار کرلیا جائے تو سرمایہ کاری کا یہ بنیادی اسلامی تصور آخر کہاں اطلاق پذیر ہوگا ؟ کیا ہم دنیا کو یہی باور کرائیں گے کہ مروّجہ بینکنگ سسٹم کی خرابیوں پر پورے عالم اسلام میں جو شور مچ رہا تھا وہ صرف اس لیے تھا کہ ’’انٹرسٹ‘‘ کے بجائے ’’مارک اپ‘‘ کا حیلہ کیوں استعمال نہیں کیا جا رہا ؟ کیا اس حیلے کے ذریعے نظامِ تقسیمِ دولت کی مروّجہ خرابیوں کا کوئی ہزارواں حصہ بھی کم ہو سکے گا ؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں ، تو خدارا سوچئے کہ ’’مارک اپ‘‘ کا حیلہ استعمال کرکے ہم اسلامی نظامِ سرمایہ کاری کا کیا تصور دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں ؟

اسی لیے ہمارے فقہائے کرام نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ اِکا دُکا مواقع پر کسی قانونی تنگی کو دور کرنے کے لیے کوئی شرعی حیلہ اختیار کر لینے کی تو گنجائش ہے ، لیکن ایسی حیلہ سازی جس سے مقاصدِ شریعت فوت ہوتے ہوں ، اس کی قطعاً اجازت نہیں ۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کو جس قسم کا نظامِ سرمایہ کاری مطلوب ہے ، وہ ’’مارک اپ‘‘ کے ’’میک اپ‘‘ سے حاصل نہیں ہوگا ، اس کے لیے محض قانونی لیپ پوت کی نہیں ، انقلابی فکر کی ضرورت ہے ۔ اس غرض کے لیے کاروباری اداروں کو مجبور کرنا ہوگا کہ وہ شرکت یا مضاربت کی بنیاد پر کام کریں ......‘‘ (۲)

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ بیع مؤجل یا بنام دیگر مرابحہ مؤجلہ جب بینکوں میں (حقیقی نفع کے طور پر) سرمائے کی فراہمی کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ محض ایک حیلہ ہوگا اور مستقل بنیاد کے طور پر اسے اختیار کرنا کسی طور پر درست نہیں ہوگا (اقتباس نمبر ۲ کو دوبارہ بغور مطالعہ فرمائیں)

پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے نظریاتی کونسل کے عبوری دور کے لیے پیش کردہ تجاویز اور حیلوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

’’بقیہ دو سے لے کر نو تک (یعنی) آٹھ تجاویز ایسی ہیں کہ جو موجودہ سرمایہ داری نظام کے بینکاری نظام کو ایک بدلی ہوئی شکل میں پیش کرتی ہیں ۔ ان میں اسلام کو بھی کھینچ تان کر لایا گیا ہے ، لیکن اس کے باوجود اسلامی تعلیمات سے ان کی مناسبت پیدا نہیں ہوسکتی ۔‘‘ (۳)

پروفیسر صاحب کی دیگر تقریرات سے بالکلیہ اتفاق سے قطع نظر ، مذکورہ عبارت سے اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ دو مثالی طریقوں سے ہٹ کر جو تجاویز دی گئی ہیں وہ اصل اسلامی تعلیمات کی روح سے مناسبت نہیں رکھتیں ، بلکہ ان میں اسلام کو کھینچ تان کر لایا گیا ہے ، البتہ عبوری دور کے لیے پیش کیے گئے تھے ، تاکہ فوری اور سخت مشکلات کا سامنا نہ ہو اور مثالی طریقوں کی تنفیذ آسانی اور سہولت کے ساتھ ہو سکے ۔

بینکوں میں بیع مرابحہ / بیع مؤجل .... مزید وضاحت

۱۹۸۵ء میں پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی کتاب ’’بلا سود بینکاری (عبوری

خاکہ)'' منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں انہوں نے ''بیع مرابحہ/ بیع مؤجل'' کے عنوان سے مرابحہ اور اس کی شرائط پر بحث کرنے کے بعد اس کے محدود الاستعمال ہونے کی تصریح کی ہے:

''بنا بریں کاروبار و تجارت سے متعلقہ ان معاملات میں جہاں مشارکہ یا قرضِ حسنہ وغیرہ کے ذرائع ناممکن العمل ہوں بیع مؤجل کی مذکورہ بالا صورت کو احسن شرائط کے ساتھ اپنایا جاسکتا ہے۔''(۴)

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی اسی کتاب کے آغاز میں جناب جاوید القادری صاحب نے حقیقتِ حال کی طرف توجہ دلانے کے لیے'' آپ کی توجہ کے لیے'' کے عنوان سے صاف الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ یہ نظام محض عبوری دور کے لیے ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اس نظام کی حیثیت محض عبوری تھی اور طے یہ پایا تھا کہ حکومت مستقل بنیادوں پر غیر سودی بینکاری کے نفاذ کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھے گی۔ یہ عبوری خاکہ بلا سود بینکاری کی منزل تک پہنچنے کا محض ایک ذریعہ تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر منزل ہی نظر سے اوجھل ہو جائے اور ذریعہ بجائے خود منزل قرار پا جائے تو اس کی افادیت ہی ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ ایک مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت اس عبوری ڈھانچے کے نفاذ کے بعد فوری طور پر بلا سود بینکاری کے مستقل نظام کے نفاذ کے لیے کوششیں شروع کر دیتی، لیکن یوں لگتا ہے جیسے وہ اسی پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئی ہے اور اس نظام کو مستقل بنیادوں پر منظّم کرنے کا بظاہر کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔''(۵)

اسی بات کی طرف جناب ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے بھی شروع کتاب میں ''ضروری عرض داشت'' کے عنوان کے تحت ان الفاظ کے ساتھ اشارہ کیا ہے:

''لیکن یہ بھی اشد ضروری ہے کہ ان مراحل کو عبوری دور ہی سے تعبیر کیا جائے، نہ کہ انہیں مستقل اقدامات سمجھ کر انہی پر اکتفا کر لیا جائے، ورنہ اندریں صورت نہ صرف منزل نظر سے اوجھل ہو جائے گی، بلکہ ان ذرائع کی افادیت بھی برقرار نہ رہ سکے گی۔''(۶)

بیع مؤجل/ مرابحہ کی نئی تعبیر وتکییف

۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں ''مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ'' نے بلا سود بینکاری کے حوالے سے کیے جانے والے اجلاس میں بھی مرابحہ کو بطور مثالی طریقۂ تمویل پیش نہیں کیا، بلکہ ناممکن العمل معاملات میں اس کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ اجلاس کی روداد میں لکھا ہے:

''جن معاملات میں شرکت یا مضاربت پر عمل ممکن نہیں ہے، وہاں ''مرابحۂ مؤجلہ'' پر عمل

کی تجویز پیش کی گئی ہے۔‘‘(۷)

۱۴۱۳ھ اور ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء میں جامعہ دارالعلوم کراچی میں کچھ حضرات کے لیے جدید معاشیات کے موضوع پر کچھ دروس ہوئے، بعد میں اس کورس کے اسباق ’’اسلام اور جدید معیشت وتجارت‘‘ کے نام سے مرتب ہوکر کتابی شکل میں منظرِ عام پر آئے۔ اس مجموعہ میں مرابحہ مؤجلہ پر بحث کرتے ہوئے اس کے طریقِ کار کی نزاکت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

’’لیکن یہ انتہائی نازک طریقہ ہے، اس میں ذرا سی بے احتیاطی اس کو سودی نظام سے ملا دیتی ہے۔‘‘(۸)

۱۹۹۸ء میں اس موضوع پر ایک اور کتاب ’’اسلامک فائنانس‘‘ منظرِ عام پر آئی، جس کا اردو ترجمہ ’’اسلامی بینکاری کی بنیادیں‘‘ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مرابحہ مؤجلہ پر مفصل بحث کی گئی ہے اور جا بجا اس بات کی صراحت کی ہے کہ مرابحہ بنیادی طور پر مثالی طریقۂ تمویل نہیں ہے، بلکہ سود سے بچنے کا ایک وسیلہ اور حیلہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

’’یہ بات کسی صورت نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ مرابحہ اپنی اصل کے اعتبار سے طریقۂ تمویل نہیں ہے، یہ تو صرف سود سے بچنے کا ایک وسیلہ اور حیلہ ہے، ایسا مثالی ذریعۂ تمویل نہیں ہے جو اسلام کے معاشی مقصد کی تکمیل کرتا ہو۔ اس لیے معیشت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے عمل میں اسے ایک عبوری مرحلے کے طور پر استعمال کرنا چاہیے اور اس کا استعمال انہی صورتوں تک محدود رہنا چاہیے جہاں مشارکہ اور مضاربہ قابلِ عمل نہیں ہیں۔‘‘(۹)

اسی کتاب میں چند صفحات کے بعد ارشاد ہے:

’’مرابحہ اپنی اصل کے اعتبار سے کوئی طریقۂ تمویل نہیں ہے، یہ ایک سادہ بیع ہے جو اصل لاگت پر اضافے کے تصور پر مبنی ہے۔ لیکن اس میں مؤجل ادائیگی کا تصور شامل کرکے اسے صرف ان صورتوں میں طریقۂ تمویل کے طور پر استعمال کرنے کا راستہ نکالا گیا ہے، جہاں کلائنٹ (مشتری، خریدار) واقعی کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے، اسی لیے نہ تو اسے مثالی طریقۂ تمویل کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے ہر قسم کی تمویل کے لیے عمومی طریقے کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے، اسے مشارکہ اور مضاربہ پر مبنی مثالی تمویلی نظام کی طرف ایک عبوری قدم کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے، وگرنہ اس کا استعمال انہی صورتوں تک محدود رہنا چاہیے جہاں مشارکہ اور مضاربہ کام نہیں دیتے۔‘‘(۱۰)

مرابحۂ مؤجلہ کی بحث کے اختتام پر صاحبِ کتاب نے مرابحہ کی حیثیت آشکارا کرنے کے

بعد احتیاط کی بھرپور تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ بات پوری احتیاط کے ساتھ مدنظر رکھنی چاہیے کہ مرابحہ ایسا معاملہ ہے جو سرحد پر واقع ہے، اور بیان کردہ طریقۂ کار سے معمولی سا بھی ہٹنے سے قدم سودی تمویل کے ممنوعہ علاقے میں واقع ہوجاتے ہیں، اس لیے یہ معاملہ پوری توجہ اور احتیاط کے ساتھ کرنا چاہیے اور شریعت کے کسی بھی تقاضے میں کوتاہی نہیں برتنی چاہیے۔'' (۱۱)

۲۰۰۴ء میں یا اس کے کچھ آگے پیچھے ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کے اسلامی بینکاری کے موضوع پر کئی محاضرات ہوئے۔ وہ قانون، فقہ اسلامی اور معاشیات پر ماہرِفن کا درجہ رکھتے ہیں، مزید یہ کہ پاکستان میں اسلامی بینکاری کے سفر کے بہت سے واقعات کے چشم دید گواہ بھی ہیں، اس لیے ان کی بات کو خاص مقام، اعتبار و استناد حاصل ہے۔

مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا تعارف کرواتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

''ایک اور طریقہ جس پر آج کل بہت زیادہ عمل درآمد ہورہا ہے ...... وہ مرابحہ کا طریقہ ہے ...... لیکن یہ طریقہ کارنا مناسب بل کہ غلط ثابت ہوا ...... اس کا نتیجہ مثبت نکلنے کے بہ جائے منفی نکل رہا ہے۔ اس وقت مرابحہ کے نام پر جو کاروبار ہورہا ہے وہ بیشتر اسلامی بینکوں کا اگر ۹۹ نہیں تو ۸۰، ۹۰ فیصد تو ضرور ہے۔ آج بینکوں کے ۸۰، ۹۰ فیصد کام مرابحہ کی بنیاد پر ہورہے ہیں اور مرابحہ کی جو بھی شکل رائج ہے وہ اپنے چند ظواہر سے قطعِ نظر اپنی روح اور نتائج کے اعتبار سے روایتی سودی کاروبار سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اسی کی وجہ سے اسلامی بینکوں کے معاملات پر اعتراض یا سوالیہ نشان کی گنجائش بھی محسوس ہوتی ہے۔'' (۱۲)

مرابحہ کی حیثیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اس کا ایک حیلہ تجویز کیا گیا جو میرے خیال میں بہت کمزور حیلہ تھا، اور مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں کہ وہ افسوس ناک حیلہ ہے۔'' (۱۳)

حضرت غازی صاحب نے آگے اس بات پر گفتگو فرمائی ہے کہ اگر اس حیلے کی بھی پوری پابندی ہوئی ہوتی تو بھی غنیمت تھا، لیکن اس پر بھی پوری پابندی نہیں ہوئی۔ اور اگر پوری پابندی ہو بھی تو کیا یہ کوئی مثالی طریقۂ تمویل ہے؟ آگے علی سبیل التسلیم ڈاکٹر غازی صاحب نے اِن الفاظ کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے:

''اگر یہ ساری چیزیں سو فیصد اس طریقۂ کار کے مطابق ہوں جب بھی یہ اسلامی بینکاری کا کوئی

آئیڈیل یا مثالی متبادل نہیں ہے۔ یہ محض ایک حیلہ تھا، جو بعض لوگوں نے تجویز کیا اور بینکوں کے اس اصرار یا تامل کی وجہ سے کہ ہم بہ راہِ راست کاروبار میں حصہ نہیں لے سکتے، اس حیلے کی ضرورت پڑی، جس کی وجہ سے بعض حضرات کو اسلامی بینکاری پر اعتراض کا موقع ملا۔‘‘(۱۴)

محترم قارئین! نظریاتی کونسل کی رپورٹ سے لے کر اب تک ہم نے جتنی کتابوں سے اقتباسات نقل کیے ہیں، وہ تمام اقتباسات اس ایک حقیقت پر متفق نظر آتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکوں میں تاجروں کو سرمائے کی فراہمی کے لیے مرابحہ کے نام سے جو معاملہ ہو رہا ہے، اس مرابحہ کی ابتدائی حیثیت محض ایک حیلہ کی ہے، جس کا تمام مطلوبہ شرائط کے باوجود استعمال محدود ہونا چاہیے۔ اس کی تجویز محض عبوری دور کے لیے دی گئی تھی، مستقل بنیاد کے طور پر اس کا استعمال کرنا اس کے صحیح ہونے کے باوجود اسے غلط ٹھہراتا ہے اور عمل ومآل کے اعتبار سے بینکاروں کو سودی سرحد میں داخل کروانے کا ذریعہ بنتا جارہا ہے۔

اس تقریر دل پذیر سے اتنی بات تو طے پاگئی کہ مرابحہ اگر اپنے مطلوبہ شرائط کے ساتھ ہو تو تاجروں کو سرمائے کی فراہمی کا اسلامی بہانہ ہونے کی بنا پر اس کی حیثیت محض ایک حیلہ کی ہے، جس کا استعمال محدود ہونا چاہیے۔ اس کی تجویز عبوری دور کے لیے دی گئی تھی، مستقل بنیاد کے طور پر اس کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

حواشی وحوالہ جات

۱:- غیرسودی بینکاری، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، معارف القرآن: ص: ۳۶۳
۲:- فقہی مقالات، مفتی محمد تقی عثمانی، میمن اسلامک پبلشرز، ج:۲، ص: ۲۵۹ تا ۲۶۱
۳:- اسلامی ریاست کا مالیاتی اور بینکاری نظام، پروفیسر رفیع اللہ شہاب، دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار لاہور، اشاعت ۱۹۹۶ء: ص: ۱۹۲
۴:- بلاسود بینکاری عبوری خاکہ، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن، لاہور، اشاعت بارسوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۶۳
۵:- بلاسود بینکاری عبوری خاکہ، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، عنوان: ’’آپ کی توجہ کے لیے‘‘ کے تحت
۶:- بلاسود بینکاری عبوری خاکہ، ص: ۱۸
۷:- احسن الفتاویٰ، مفتی رشید احمد صاحبؒ، ایچ ایم سعید کمپنی، ج: ۷، ص: ۱۱۹
۸:- اسلام اور جدید معیشت وتجارت، مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبہ معارف القرآن، جولائی ۲۰۱۰ء، ص: ۱۷۱
۹:- اسلامی بینکاری کی بنیادیں، مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبۃ العارفی، فیصل آباد، ص: ۹۳
۱۰:- اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص: ۱۳۸   ۱۱:- اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص: ۱۴۰
۱۲:- اسلامی بینکاری ایک تعارف، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص: ۱۷۱
۱۳:- ماخذ سابق، ص: ۱۷۲   ۱۴:- ماخذ سابق، ص: ۱۷۳   (جاری ہے)

حضرت مولانا الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد اسحاق
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان

مجاہدِ ختمِ نبوت، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ (ملتان) کے بانی، والد گرامی حضرت مولانا الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ماشاء اللہ! عرصہ دراز سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے، دو ماہ قبل ۲۶ دسمبر ۲۰۱۹ء مطابق ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ بروز جمعرات بوقتِ چاشت انتقال فرما گئے، إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے چند مبارک نقوش

مدینہ منورہ سے عشق ومحبت

والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا مدینہ منورہ سے عشق ومحبت کا عجیب حال تھا، ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا کہ وہ کسبِ معاش کے کاموں میں مصروفیت کے باوجود حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کے عاشقانہ اشعار عجیب ترنم اور رَدھم میں پڑھتے تھے کہ سننے والے بھی چند لمحوں کے لیے اسی کیفیت میں ڈوب جاتے:

زِ مہجوری برآمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ! ترحم

''آپ کے فراق سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ جان بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے۔ اے رسول خدا! نگاہِ کرم فرمائیے، اے خاتم المرسلین! رحم فرمائیے۔''

نہ آخر رحمۃ للعالمینی زِ محروماں چرا غافل نشینی

''آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں، ہم حرماں نصیبوں سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں؟!''

فرماتے تھے کہ: میں جب پہلی مرتبہ مدینہ منورہ آیا تو میرے دل میں یہ جذبہ تھا کہ اللہ پاک مجھے اس مبارک زمین کے لیے قبول فرمالیں، چاہے مجھے مدینہ منورہ کے باہر کسی کوڑا کرکٹ کی جگہ پر ہی

رہنا پڑے۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد وہاں قیام کے لیے مجاہدہ کی حد تک محنت کی، تاکہ اللہ پاک یہاں کا قیام آسان فرمادیں۔ اپنے بیٹوں اور پوتوں کو وہاں کے قیام اور سکونت کی نہ صرف ترغیب دیتے، بلکہ انہیں ہر قسم کے تعاون کے ساتھ مدینہ منورہ کے قیام پر ثابت قدم رکھتے۔ مدینہ منورہ کے ادب کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی چیز گم ہوجاتی تو فرماتے: کسی کو پسند آ گئی ہوگی۔ چوری کا لفظ ادب کے طور پر استعمال نہ فرماتے۔ فرماتے کہ: اگر کوئی مجھے جنت البقیع میں ایک قبر کی جگہ کے بدلے بہت بڑا شاہی محل بھی دے دے تو میں کبھی قبول نہ کروں۔ حدیث شریف میں جبل اُحد کی فضیلت وارد ہے کہ: ''یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی جب بھی جبلِ اُحد پر نظر پڑتی تو خوشی اور محبت سے چیخ نکل جاتی اور وہ ہم سب کو والہانہ انداز میں متوجہ کرتے کہ دیکھو! جبل اُحد کو دیکھو۔

آپ کے سامنے اگر کوئی اہلِ عرب کی مخالفت کی کوئی بات کرتا تو آپ جلال میں آ کر فرماتے کہ: اس مخالفت کی محنت کا رُخ یہودیوں کی طرف کرلو۔ ہم نے بارہا دیکھا کہ اگر کوئی آپ کے سامنے اہلِ عرب کے بارے میں کوئی کمزور بات کرتا تو آپ فوراً تنبیہ فرماتے کہ: اہلِ عرب وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لوگ ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں گفتگو کرتے وقت ادب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اللہ پاک نے آپ کو مدینہ منورہ کے قیام سے مشرف فرمایا اور ''گلدستۂ تفاسیر'' (۷ جلد) اور ''دینی دسترخوان'' (۳ جلد) جیسی مقبول تالیفات کی توفیق سے نوازا۔ یہ دونوں کتب مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں مرتب فرمائیں۔ ''گلدستۂ تفاسیر'' کی تالیف کے دوران متعدد مرتبہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اللہ پاک نے ''گلدستۂ تفاسیر'' کو ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ عوام وخواص سب ہی اس عظیم مجموعۂ تفسیر سے استفادہ کررہے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ سے جنت البقیع میں تدفین کی مبارک آرزو کا اظہار کیا تو والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم اپنے چند بال اور ناخن وغیرہ مجھے دے دو، میں ان کو جنت البقیع میں دفن کردوں گا۔ اس طرح تمہارے جسم کا کوئی حصہ تو جنت البقیع میں پہنچ جائے گا۔

صحبتِ صالح وخلافت

اللہ تعالیٰ نے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن ہی سے اکابر ومشائخ کی خدمت وصحبت کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ ان کی کتابت اور تالیف وغیرہ کے کاغذات بکھرے پڑے تھے تو آپ نے جاتے ہی بلاتکلف ان کاغذوں کو درست کرنا شروع کردیا۔ اللہ پاک نے جسمانی صحت کے اعتبار سے بھی خوب نوازا تھا، تو آپ کی یہی کوشش ہوتی کہ جس بزرگ کی خدمت میں جاتے تو نہایت ذوق وشوق سے بلاتکلف جسمانی خدمت سے بھی گریز نہ فرماتے۔ اللہ پاک نے آپ کو جن اکابر ومشائخ کی خدمت وصحبت سے نوازا، ان میں ایک ہستی حضرت

اقدس مولانا عبدالغفور نقشبندی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالغفور نقشبندیؒ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے ایسے فرحاں وشاداں تھے کہ اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل جب والد گرامی کچھ دنوں کے لیے پاکستان آنے لگے تو والد گرامی کو مخاطب کر کے فرمایا: عبدالقیوم! بہت سے لوگوں نے میری خدمت کی ہے، لیکن ہم تمہاری خدمت کو نہیں بھولیں گے، ہم تمہیں اپنی دُعاؤں میں حیًّا ومیّتاً یاد رکھیں گے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے سلسلہ چشتیہ کے جن بزرگوں سے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی، ان کے اسماء یہ ہیں:

۱:- حضرت مولانا سید قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی مدظلہم۔ ۲:- حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر رحمۃ اللہ علیہ۔ ۳:- حضرت ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت اقدس پیر فضل علی قریشی نقشبندی قدس سرہٗ کے سلسلہ نقشبندیہ کے جن بزرگوں سے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱:- حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مولانا عبدالغفور عباسی نقشبندی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

۲:- حضرت حاجی محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ککرے والے) خلیفہ حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۳:- حضرت ماسٹر اختر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت حافظ محمد موسیٰ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ)

والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو جن اکابر کی خاص خدمت وصحبت اور خصوصی تعلق نصیب ہوا، ان میں امیرِ شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ لطف اللہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات شامل ہیں۔ امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ سے خدمت وتعلق کا یہ حال تھا کہ والدِ گرامی رحمۃ اللہ علیہ جب بھی امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حاضر ہوتے تو شاہ جی فرماتے: ہٹ جاؤ، اب میری خدمت کرنے والا آ گیا ہے۔ آخر عمر جب تک صحت نے اجازت دی آپ برابر اکابر ومشائخ کی صحبت وخدمت سے مشرف ہوتے رہے۔ اکابر میں سے کسی کی وفات پر ازخود آگے بڑھ کر غسل اور کفن دفن میں مجاہدانہ خدمات سرانجام دیتے اور پورے اعزاز واکرام کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے میت کو قبر میں اُتارتے اور بعض دفعہ قبر میں بھی خود اُتر کر لیٹ جاتے اور قبر کو اپنے کپڑوں سے صاف کرتے۔

والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں جن اکابر کی صحبتوں سے باطنی فیض حاصل کیا، حضرت اس دولت کو آگے بھی منتقل فرماتے رہے۔ حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے سینکڑوں لوگ مستفید ہوئے، اس کے علاوہ اُنہوں نے اپنی زندگی میں سولہ (۱۶) احباب کو اس سلسلہ کو چلانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تالیفاتِ نافعہ پر ایک نظر

۱:- گلدستۂ تفاسیر (۷ جلد)۔ ۲:- فوائد القرآن (۳ جلد)۔ ۳:- دینی دسترخوان (۳ جلد)۔

۴:-ختمِ نبوت کی تاریخی دستاویز۔ ۵:-تعمیرِ انسانیت (۲ جلد)۔ ۶:-تحفہ حفاظ ۔ ۷:-عام فہم تعلیمی درس قرآن۔ ۸:-حافظی قرآن مجید (دو ورقی) ۔ ۹:-وصیت نامہ (فارم)۔ ۱۰:-گلدستۂ احادیث۔ ۱۱:-اورادِ فضلیہ کی جدید ترتیب۔۱۲:-ختمِ نبوت کا مختصر تعارف (جیبی)۔۱۳:-تلخیص تجریدِ بخاری شریف (متدلاتِ حنفیہ)۔۱۴:-تحفۂ نقشبندیہ۔

والدگرامی کا یہ بھی معمول تھا کہ کسی بزرگ کا نام سنتے تو سخت تاکید فرماتے کہ: ان کے نام کے ساتھ ''رحمۃ اللہ علیہ'' ضرور کہو، تمہاری ذرا سی زبان حرکت کرے گی اور اس کے حق میں دُعائے خیر ہو جائے گی۔ ''رحمۃ اللہ علیہ'' کے تکرار کا اس قدر غلبہ ہوتا کہ فرماتے کہ: میرے نام کے ساتھ ابھی سے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنے کی عادت بنالو۔ والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والدین کی جو خدمت کی، وہ خاندان بھر میں مثالی تھی۔ غالبًا ۱۹۶۵ء میں خشکی کے راستہ سے خود حج کے لیے تشریف لے گئے، واپسی پر اپنی قیمتی جائیداد فروخت کر کے والدین کو حج کے لیے لے گئے، جب لوگوں نے جائیداد بیچنے پر اعتراض کیا کہ اتنی قیمتی جائیداد بیچ دی؟ تو فرمایا: میری اصل قیمتی جائیداد میرے والدین ہیں۔ اور قدم قدم پر مثالی خدمت بھی کی۔ اسی خدمت کا ثمرہ ہے کہ ماشاء اللہ! ۹ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں جو سب کے سب حافظ وقاری ہیں اور دینی خدمات میں مصروف ہیں، اور الحمدللہ اس وقت اولاد دَر اولاد کی تعداد ۱۰۰ سے اُوپر ہے۔

والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ ہجرتِ مدینہ منورہ سے قبل خاندانی معاملات میں بڑی محنت سے اپنا کردار ادا کرتے۔ ماشاء اللہ! طبیعت پر دین داری غالب تھی، اس لیے سب خاندان کے لوگ آپ کی بات کو تسلیم کرتے، اگرچہ ان کی طبیعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ وہ جانتے اور مانتے تھے کہ یہ ہمارے خیرخواہ اور ہمدرد ہیں۔ مدینہ منورہ میں مقیم ہمارے بھائیوں کے معاملات میں بھی عجیب حکمت و فراست سے صلح اور باہمی رَواداری کا درس دیتے۔ اور مدینہ منورہ میں مقیم ہمارے بھائی اور ہمشیرگان ہفتہ میں ایک مرتبہ حضرت والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اجتماعی حاضری دیتے، تاکہ کسی کو کسی سے رنج و شکایت ہو تو اسی مجلس میں معاملہ درست کرلیا جائے۔ یہ آپ کی ایسی مبارک صفت تھی کہ آج بھی اہلِ خاندان آپ کو اس حوالہ سے خوب دُعائیں دیتے ہیں۔

آخری دنوں میں زبان پر آیت ''یَـأَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ'' جاری ہوگئی تھی اور بکثرت استغفار اور درود شریف کا معمول تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور اُن کے فیضِ باطنی کو عام کرنے کے لیے اُن کے خلفاء کرام کو خوب خوب دینی کام کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ....

شبِ معراج کی تعیین اور عبادت

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کیا شبِ معراج ۲۷/ رجب کو ہے؟ اور کیا اس رات کی کوئی خاص عبادت ہوتی ہے؟ اگر ہوتی ہے تو وہ کیا ہے؟ تفصیلی جواب سے نوازیں، شکریہ مستفتی: محمد قاسم

الجواب حامداً ومصلیاً

واضح رہے کہ حتمی طور پر یہ بات طے نہیں ہے کہ معراج کس مہینہ اور کس شب میں پیش آئی۔ اپنی طرف سے متعین کرکے کسی رات کو شبِ معراج قرار دینا درست نہیں ہے۔

نیز اس شب میں خصوصیت سے کوئی الگ نماز یا عبادت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور خصوصیت کے ساتھ اس رات میں عبادت کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو ترغیب دینا درست نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ۲۷ رجب کو حتمی طور پر شبِ معراج کہنا درست نہیں، بلکہ شبِ معراج کے بارے میں چند اقوال منقول ہیں۔ بعض نے ۱۲/ ربیع الاول، بعض نے ۱۷/ ربیع الاول، بعض نے ۲۷/ ربیع الاول، بعض نے ۱۷/ ربیع الآخر، بعض نے ۲۷/ ربیع الآخر، بعض نے ۲۷/ رجب، بعض نے ۱۷/ رمضان، بعض نے ۲۷/ رمضان اور بعض نے ۲۷/ شوال کو شبِ معراج قرار دیا ہے۔ ان اقوالِ کثیرہ میں سے کسی تاریخ کے لیے کوئی وجہ ترجیح نہیں، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

’’وقد اختار الحافظ عبد الغني بن سرور المقدسي في سيرته أن الإسراء كان ليلة السابع والعشرين من رجب وقد أورد حديثا لايصح سندهٗ ، ذكرناه في فضائل شهر رجب.‘‘ (البدایۃ والنہایۃ، ج:۳،ص:۱۰۹)

اسی طرح اس رات میں کوئی خاص عبادت بھی مشروع نہیں۔ اس رات کو عبادت کی رات سمجھنا اور اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ متعین کرنا اور اسے مسنون سمجھنا شریعت کے مطابق نہیں، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ مواہبِ لدنیہ مع شرح زرقانی میں ہے:

’’(و أما ليلة الإسراء فلم يأت في أرجحية العمل فيها حديث صحيح) أراد به ما يشمل الحسن بدليل قوله (ولاضعيف ولذلک لم يعينها النبي صلى الله عليه وسلم لأصحابه ولاعينها أحد من الصحابة بإسناد صحيح ولاصح إلى الآن ولا يصح إلى أن تقوم الساعة فيها شيء لأنهٗ إذا لم يصح من أول الزمان لزم أن لايصح في بقيته لعدم إمكان تجدد واحد عادة يطلع على ذٰلک بعد الزمن الطويل، وهذا لايشكل عليه ما قيل: إنه كان ليلة سبع عشرة أو سبع وعشرين خلت من شهر ربيع الأول أو بسبع وعشرين من رمضان أو من ربيع الآخر أو من رجب، واختير، وعليه العمل لأن ابن النقاش لم ينف الخلاف فيها من أصله وإنما نفى تعيين ليلة بخصوصها للإسراء وكيسه) أي من عند نفسه دون استناد لنص يعتمد عليه (لمرجع ظهر له استانس به) لما أجزم به (ولهذا) أي عدم اتيان شيء فيها (تصادمت الأقوال فيها وتباينت ولم يثبت الأمر فيها على شيء ولو تعلق بها نفع للأمة ولو ذرة) أي شيئًا قليلا جدا (لبينه لهم نبيهم صلى الله عليه وسلم) لأنهٗ حريص على نفعهم .‘‘ (زرقانی علی المواہب، ج:۸،ص:۱۸، دار الکتب العلمیۃ)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	مدثر احمد صدیقی

متخصص فقہِ اسلامی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

ایصالِ ثواب کی درخواست

جامعہ کے پرانے تعلق دار اور مولانا احمد علی صاحب کے والد جناب حاجی محمد یاسین صاحب (محمود سوئیٹس والے) ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۳ فروری ۲۰۲۰ء کو کراچی میں انتقال کرگئے، إنا للّٰه وإنا إليه راجعون، إن للّٰه ما أخذ ولهٗ ما أعطٰى وكل شيء عندهٗ بأجل مسمّٰى. أللّٰهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزلهٗ ووسع مدخله .

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے، کامل مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، آمین بجاه النبي الأمي الكريم صلى الله عليه وآله وصحبه أجمعين.

قارئینِ بینات سے مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نَقدُ و نظَر

ادارہ

دعاؤں کا خزانہ

بریگیڈیئر ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن صاحب۔ صفحات: ۲۱۵۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: جامع مسجد الفرقان، ملیر کینٹ، کراچی

اللہ تعالیٰ ہمارا خالق، مالک، رازق ہے، زندگی اور موت کی طرح حالات پر کنٹرول اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اسی سے اپنی حاجات اور ضروریات مانگنے کا حکم دیا ہے۔ مانگنے کے آداب، طریقہ اور شرائط بتلائی گئی ہیں، ان شرائط اور آداب کے ساتھ جب مانگا جاتا ہے تو وہ اس دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے۔ دعا درحقیقت بادشاہوں کے بادشاہ سے مانگنے کا نام ہے جو ستر ماؤں سے زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے، ہر چیز پر قادر ہے اور جو ہر بندے کی ضروریات کو بھی جانتا ہے۔ چونکہ ہر انسان کو زندگی میں مختلف حالات و واقعات اور ضروریات پیش آتی رہتی ہیں، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ہر ہر موقع کے لیے علیحدہ علیحدہ دعائیں سکھلائی ہیں۔ مؤلف موصوف نے ان دعاؤں کو عربی عبارات بمع اعراب، ترجمہ اور حوالہ کے ساتھ یکجا کر کے دورنگا خوبصورت طباعت کے ساتھ افادۂ عام کی غرض سے کتابی شکل میں چھاپ دیا ہے۔ اُمید ہے کہ باذوق قارئین اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں گے۔

جامع التصریف یعنی علم صرف کے مسائل کا انسائیکلو پیڈیا

مفتی روح اللہ کشمیری۔ صفحات: ۳۷۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: شعبہ التصنیف والتالیف جامعہ ام القری، گلی باغ، ہوتی، مردان۔

علم صرف کو تمام علوم کی ماں کہا گیا ہے، یعنی تمام علوم کی بنیاد علم صرف پر ہے، اسی لیے اساتذہ

کرام اس علم صرف کی تعلیم کے لیے طلبہ پر خاص توجہ دیتے ہیں، انہیں گردانیں، صیغے ابواب وغیرہ خوب یاد کراتے اور ان کا اجراء کراتے ہیں۔

مؤلف موصوف چونکہ مدرس ہیں، شروع میں انہوں نے علم صرف کی چند غیر نصابی کتابیں، مثلاً: شافیہ، فصولِ اکبری، مراح الارواح، اور زنجانی وغیرہ بھی اپنے طلبہ کو پڑھائیں تھیں، بعد میں انہوں نے یہ کتاب تیار کردی۔ اس میں ایک مقدمۂ علم تصریف ہے، جس میں اس علم کے متعلق تمام مباحث کو یکجا کردیا ہے، ایک مقدمۃ الکتاب ہے جس میں علم صرف کی تمام مباحث کو ایک خاص ترتیب سے ذکر کیا ہے اور مقاصد میں قوانین، ابوابِ صرفیہ اور صیغوں کے اجراء پر توجہ دی گئی ہے اور ہر بحث کے آخر میں تمرین اور سوالات دیئے گئے ہیں، تاکہ طلبہ مزید اجراء کرسکیں۔ درجہ اولیٰ کے طلبہ اور علم صرف سے منسلک اساتذہ کے لیے یہ کتاب ایک بہترین راہنما ہے۔

الحقانیہ ''عارف ربانی نمبر''

مدیر اعلیٰ: مفتی سید عبد القدوس ترمذی صاحب۔ صفحات: ۴۶۸۔ قیمت: ۳۰۰ سو روپے۔

ناشر: جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا، پنجاب

کسی شخصیت کی سیرت نگاری سے ایک تو ان کا تعارف، ان کی سیرت اور ان کے کردار کو زندہ رکھنا اور انہیں ان لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے جنہوں نے ابھی تک ان کو دیکھا نہیں یا ان کے تمام حالات اور واقعات ان کے سامنے نہیں۔ اس طرح اس سے ان کے اخلاف، متبعین، معتقدین اور متبسین کے لیے ان کی راہِ عمل پر چلنا آسان ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ: ''جو کوئی شخص کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو گزر چکے ہیں، کیونکہ زندہ آدمی پر آزمائش کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔'' اس سے بھی ثابت ہوا کہ آئندہ نسلوں کے لیے اپنے بزرگوں کا طریقہ اختیار کرنا اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ ان کے حالات وواقعات معلوم ہوں اور یہ سیرت نگاری کے سوا ممکن نہیں۔

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اشرف علیہ تھانوی قدس سرہٗ کے نواسے تھے، ان کی پیدائش ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں ہوئی۔ ان کی عمر کے پہلے چار سال حضرت تھانویؒ کی حیات میں گزرے۔ اور وفات ۱۴ شعبان ۱۴۳۹ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں آپ کو تدفین نصیب ہوئی۔ آپ ہی کے حالات پر جامعہ حقانیہ کے ترجمان ''مجلّہ الحقانیہ ساہیوال، سرگودھا'' نے ''عارف ربانی نمبر'' نکالا ہے۔ اس میں خاندانی پس منظر، حالات وکمالات، تدریسی وتبلیغی خدمات، اصلاح وارشاد، مدارسِ دینیہ کے قیام میں مساعی جمیلہ، شعری ذوق، مختلف تحریکات میں

حصہ، اہم مضامین ومکتوبات جیسی تحریروں کو یکجا جمع کیا گیا ہے۔

اس ’’عارف ربانیؒ نمبر‘‘ نکالنے پر مدیرِاعلیٰ، مجلسِ مشاورت، مدیرِمسؤل اور تمام کارکنانِ جامعہ مبارک باد کے مستحق ہیں، جنہوں نے مساعیِ شاقہ کے بعد یہ خوبصورت دستاویز تیار کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی اس کوشش وکاوش کو مقبول فرمائے اور دنیا وآخرت میں اس کا بہترین بدل نصیب فرمائے۔

خطباتِ جامعہ ابو ہریرہؓ

سرپرستی ونگرانی شیخ الحدیث مولانا عبد القیوم حقانی۔ جمع وترتیب: مولانا عماد الدین محمود ومولانا نور اللہ فاروقی۔ صفحات: ۶۷۵۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ، کے پی کے

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القیوم حقانی حفظہ اللہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خصوصی اوصاف ومزایا سے مزین کیا ہے، آپ جہاں بہترین مدرس اور فصیح وبلیغ مقرر ہیں وہاں کہنہ مشق صحافی اور ادیب بھی ہیں، تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے فیض قلم سے نکلی ہوئی ہزاروں کتب ’’القاسم اکیڈمی‘‘ کو میسر آئیں۔ ’’ایں سعادت بزور بازو نیست‘‘ کے مصداق اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص فضل اور عنایت سے یہ سب کچھ آپ کے حصہ میں آیا۔ جامعہ ابو ہریرہؓ چونکہ ایک دینی، علمی اور تبلیغی ادارہ ہے، اس میں اکابر، مشائخ، قائدین، زعماء، مصلحین، مصنفین اور نامور علماء، دانش ور، ادیب، سیاسی زعماء، صحافی اور اربابِ فضل وکمال کے بیانات، خطبات اور مواعظ، صوفیاء اتقیاء، اولیاء کی روحانی، تربیتی مجالس اور خطابات کے علاوہ زعماء جہاد کے خطبات ہوتے رہتے ہیں، جن کو حضرت کے معاونین اور خدام نے محفوظ کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا ہے۔ اس مجموعہ کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے:

بابِ اول میں ۱۲۹ اکابر ومشائخ، قائدین اور زعماء کے بیانات ہیں۔ بعض بزرگوں کے کئی کئی بیانات بھی ہیں۔ بابِ دوم میں ۲۳ حضرات کے بیانات۔ بابِ سوم میں ۱۳ دانشور، ادیب، سیاسی زعماء اور صحافی حضرات کی تقاریر ہیں۔ بابِ چہارم میں ۱۲/ اور بابِ پنجم میں جامعہ ابو ہریرہؓ کے بعض مشائخ واساتذہ کی ۵ تقاریر اور مواعظ ہیں۔

گویا اکابر علماء، مشاہیر، زعماء، محدثین ومشائخ، نامور دانشوروں، عمائدین وقائدین کے جامعہ ابو ہریرہؓ میں فرمائے گئے ایمان افروز خطبات کا حسین مرقع، ایک دل چسپ علمی، ادبی اور تاریخی سوغات ہے، اُمید ہے کہ باتوفیق حضرات اس کی خوب پذیرائی فرمائیں گے۔

الفوائد الأصولية بمعرفة الأحاديث النبوية

الشیخ محمد ادریس ترنگ زئی صاحب (شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک)۔ صفحات: ۲۰۸۔

قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مؤتمر المصنفین، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، کے پی کے

پیشِ نظر کتاب ''الفوائد الأصولية بمعرفة الأحاديث النبوية'' حدیث کی بنیادی باتوں پر مشتمل عربی زبان میں ہے۔ اس کتاب کو بارہ فوائد پر تقسیم کیا گیا ہے:

۱: علم حدیث کے فضائل وشرف۔ ۲: حدیث کی وجہ تسمیہ۔ ۳: علم حدیث کی اقسام، موضوع اور غرض وغایت کے بیان میں۔ ۴: بعض اصطلاحات کی وضاحت۔ ۵: حدیث، خبر، اثر، سنت میں نسبت اور ان کے معانی کے بیان میں۔ ۶: اقسامِ خبر کے بیان میں۔ ۷: خبر واحد کے احکام۔ ۸: تحملِ حدیث کی اقسام کے بیان میں۔ ۹: مؤلفاتِ حدیث کے بیان میں۔ ۱۰: طبقاتِ رواۃ کے بیان میں۔ ۱۲: حجیتِ حدیث کے بیان میں۔ ۱۲: کتابت اور تدوینِ حدیث اور محدثین کے حالات کے بیان میں۔

کتاب کے شروع میں حضرت مولانا سمیع الحق رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ بھی ہے جو بہت سی معلومات پر مشتمل ہے۔ حدیث کے علماء اور طلبہ کے لیے یہ ایک نئی سوغات ہے۔

علم میراث اور اس کا جدید طریقہ کار

عادل خان زید آبادی۔ صفحات: ۴۸۔ قیمت: ۵۰ روپے۔ ناشر: جامعہ دارالہدیٰ، زید آباد، پشاور

اس کتابچہ کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

''اس کتابچہ میں فنِ تقسیمِ میراث کو بنیادی ۳ ضابطوں کی مدد سے حل کیا گیا ہے، جو صرف منفی، جمع، ضرب اور تقسیم پر مشتمل ہیں۔ ان کو سمجھ لینے کے بعد رد، عول، مسئلہ بنانا، ذواضعاف اقل، عاد اعظم، کسر، ضرب، اختصار، تصحیح، توافق، تداخل، تماثل، تباین وغیرہ جیسے سینکڑوں صفحات پر پھیلے علم میراث کے مختلف اور مشکل ابواب وابحاث جانے بغیر ہی تقسیمِ میراث کی تمام ممکنہ صورتیں حل کرنے کی مکمل صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔''

اُمید ہے دارالافتاء سے وابستہ حضرات اس سے مکمل فائدہ اُٹھائیں گے۔

درسی تقریر مسند الامام الاعظم

افادات: حضرت مولانا گل رئیس نقشبندی مجددی۔ مرتب: صاحبزادہ حافظ محمد عبد اللہ نقشبندی۔ صفحات: ۲۹۵۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: قاسم نانوتویؒ لائبریری، بنوں۔ سٹاکسٹ: مکتبہ عمر فاروقؓ، پشاور

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جس طرح فقہ میں مقتدیٰ وامام بنایا،

اسی طرح حدیث میں بھی تمام فقہاء اور محدثین میں بھی آپ سباق وراہنما ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں وحدانیات، ثنائیات اور ثلاثیات جیسی احادیث بھی ملتی ہیں، جو کہ محدثین کے نزدیک علوِ حدیث میں ایک اونچا درجہ ہے۔ ''**مسند الإمام الأعظم**'' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مرویات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب وفاق المدارس میں درجہ سادسہ کے نصاب میں شامل ہے، اس کو حضرت مولانا گل رئیس نقشبندی مجددی صاحب نے خوب محنت، توجہ اور مختصر مگر پراثر انداز میں اپنے طلبہ کو پڑھایا تو آپ کے صاحبزادے - جو کہ آپ کے شاگرد بھی ہیں - اس کو ریکارڈ کر کے طلبۂ علومِ نبویہ کے افادہ کے لیے منصۂ شہود پر لائے۔ کتاب کے شروع میں ایک بہترین اور مفید مقدمہ بھی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ حدیث پر دال ہے۔ اس کتاب کو ۶۱ / ابواب پر منقسم کر کے ۱۲۵۴ احادیث کی تشریح کی گئی ہے اور اس کو جلدِ اول کا نام دیا گیا ہے۔ کتاب کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱: تمام احادیث کا متن اور سند واضح لکھی گئی ہے۔ ۲: احادیث پر اعراب لگائے گئے ہیں۔ ۳: احادیثِ مبارکہ کا ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم کیا گیا ہے۔ ۴: تشریح میں بے جا طوالت سے احتراز کیا گیا ہے۔ ۵: حدیث کے ترجمہ اور تشریح کے بعد اس کی عقلی توجیہ بھی لکھی گئی ہے۔

کتاب کے پروف میں کچھ املائی اغلاط رہ گئی ہیں۔ اسی طرح ص: ۲۹۴ پر روضہ رسول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی زیارت کے عنوان کے تحت حدیث کا ترجمہ تو ٹھیک کیا گیا ہے، لیکن تشریح میں اس کا بالکل اُلٹ لکھ دیا گیا ہے۔ ترجمہ میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر قبلہ کی جانب سے حاضری دو اور اپنی پشت کو قبلہ کی طرف کر کے اپنے چہرے کو قبر مبارک کی طرف کر لو اور پھر یہ کہو: ''**السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته**''۔ جب کہ تشریح میں لکھا گیا ہے کہ: ''.........اور اپنی پشت کو قبر کی طرف کر کے اپنے چہرے کو قبلہ کی طرف کر لو اور یہ کہو: ....'' میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑا سہو ہے، جس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ بہرحال کتاب کا کاغذ اعلیٰ ہے، کتاب کا ٹائٹل اور طباعت بھی اعلیٰ معیار کی ہے۔ یہ کتاب علماء، طلبہ اور عوام الناس کے لیے یکساں مفید ہے۔ اُمید ہے اس کی قدر افزائی کی جائے گی۔

اسلام اور قوت

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب۔ مترجم: بریگیڈیئر ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن صاحب۔ صفحات: ۱۰۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مسجد الفرقان، ملیر کینٹ بازار، کراچی

دنیا میں جب تک استعمار اور فریبی، سرکش اور فسادی، مظلوم اور کمزور موجود ہیں، اس وقت تک جہاد جاری رہے گا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''قیامت تک جہاد جاری رہے گا۔'' اس

لیے قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ'' (الانفال:۶۰) ''اور تیار رکھو ان کے لیے قوت جس قدر تم سے ہو سکے۔'' جہاد کی مشروعیت کے اسباب، اسلام میں جہاد کا مقام، جہاد کی فضیلت، مجاہدین کا مقام، شہادت کی فضیلت، ترکِ جہاد پر وعید، اسلامی فوج کی تیاری، سپاہ کی تعلیم، جنگی آداب وغیرہ، اس کتاب میں آ گئے ہیں۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم نے غالباً قرآن کریم کی درج بالا آیت کی تشریح کرتے ہوئے ان تمام موضوعات کو اس میں تحریر کیا تھا، آپ کی یہ تحریر عربی میں تھی۔ ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن صاحب جو صاحبِ علم، کتبِ کثیرہ کے مؤلف ہونے کے ساتھ ساتھ اُمتِ مسلمہ کے ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والوں کی اصلاح کی کوشش کرنے والی اور درد دِل رکھنے والی شخصیت ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ: عربی کتاب ''الإسلام وإعداد القوة'' کا مطالعہ کیا تو فوجی نقطۂ نظر سے یہ کتاب مجھے پسند آئی، چنانچہ ڈاکٹر صاحب سے اجازت لے کر میں نے اس کا اردو ترجمہ شروع کر دیا...۔''

بہرحال یہ کتاب ہمارے فوجی بھائیوں کے لیے ایک عمدہ سوغات اور نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ اگر اس کا مطالعہ ہر فوجی کے لیے لازمی قرار دیا جائے تو ان شاء اللہ! اس سے انہیں بہت فائدہ ہوگا۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ....